اسلامیات

برائے جماعت

دہم

نیشنل بک فاؤنڈیشن

بطور

وفاق ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد

© 2024 نیشنل بک فاؤنڈیشن بطور وفاقی ٹیکسٹ بک بورڈ، اسلام آباد
جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی شکل میں
نیشنل بک فاؤنڈیشن کی باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا۔

درسی کتاب: اسلامیات (لازمی)
برائے جماعت دہم

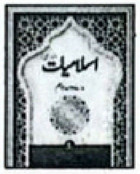

مصنفین
ڈاکٹر محمد سجاد، ڈاکٹر محمد ادریس، ڈاکٹر علی طارق، ڈاکٹر سلمان شاہد، ڈاکٹر محمد علیم، ڈاکٹر روشن علی

زیر نگرانی
ڈاکٹر مریم چغتائی
ڈائریکٹر، (قومی نصاب کونسل)
وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت، حکومت پاکستان

اندرونی جائزہ کمیٹی
عظمیٰ حمید، آئی سی بی، اسلام آباد، طاہرہ اللہ، آئی ایم ایس، اسلام آباد، شگفتہ خانم، آئی ایم سی جی، اسلام آباد، ایمن الیاس، ایف جی ای آئی، کینٹ اینڈ گیریژن، راولپنڈی
غزالہ شاہین، ایف جی ای آئی، کینٹ اینڈ گیریژن، راولپنڈی، ماریہ خالد، اے پی ایس، اسلام آباد، محمد ذاکر، نجی ادارہ، اسلام آباد، طیبہ واجد، نجی ادارہ، اسلام آباد

قومی سلیکٹ کمیٹی
فخر الزمان، پی سی ٹی بی، پنجاب، قیوم اختر، جنوبی پنجاب، ساجد الرحمان، ٹیکسٹ بک بورڈ، خیبر پختونخوا، شبانہ شاہین، خیبر پختونخوا
خلیل احمد کور، سندھ، عبید اللہ، بلوچستان، محمد سلمان علی میر، آزاد جموں و کشمیر، سید سجاد علی، گلگت بلتستان

ڈیسک آفیسر: منصورہ ابراہیم (قومی نصاب کونسل)

انتظامیہ: نیشنل بک فاؤنڈیشن

اشاعتِ اول۔ طباعتِ اول: اپریل 2024ء| صفحات: 170۔| تعداد: 88000
قیمت: -/265 روپے
کوڈ STU-497 :، آئی ایس بی این: 978-969-37-1598-9
طابع: چوہدری محمد بوٹا پریس، لاہور

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی دیگر مطبوعات کے بارے میں معلومات کے لیے رابطہ کیجیے
ویب سائٹ www.nbf.org.pk :یا فون: 051-9261125
یا ای میل: books@nbf.org.pk
اور اس درسی کتاب کے بارے میں اپنی رائے دینے کے لیے ہمیں ای میل کیجیے: nbftextbooks@gmail.com, textbooks@snc.gov.pk

یہ درسی کتاب قومی نصاب ۲۰۲۲ء کے عین مطابق ہے۔ بمطابق قومی نصاب کونسل یہ نصاب تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام کی جانب سے تصدیق شدہ ہے۔
اس کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ متفقہ ترجمہ قرآن مجید سے لیا گیا ہے جب کہ قرآنی رسم الخط انجمن حمایت اسلام کے نسخے کے عین مطابق ہے۔

نوٹ: اس کتاب کی تیاری میں دینی مدارس کے ماہرین کی خدمات حاصل کرنے پر ہم قومی نصاب کونسل اسلام آباد کے شکر گزار ہیں۔

پیش لفظ

اسلامیات (لازمی) برائے جماعت دہم قومی نصاب ۲۰۲۲ء کے مطابق تیار کی گئی ہے اور ۲۴-۲۰۲۳ء کے تعلیمی سال کے لیے پہلی بار پیش کی جا رہی ہے۔

اس کتاب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ نصاب کے مطابق طلبہ میں اسلامی جذبہ ابھرے، اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا ہو، سیرت کی تشکیل میں مدد ملے اور وطنِ عزیز سے محبت پیدا ہو جائے۔

نیشنل بک فاؤنڈیشن کی تیار کردہ اس کتاب میں اسلام کے بنیادی عقائد، عبادات اور تعلیمات کو آسان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ سے مستند حوالے دیے گئے ہیں۔ اساتذۂ کرام سے گزارش ہے کہ وہ طلبہ کو اسلامی تعلیمات اچھی طرح ذہن نشین کرائیں تاکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دینی تعلیمات سے محبت پیدا ہو اور وہ ان تعلیمات کی روشنی میں زندگی گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔

یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ معیار کی رفعت، تدریسی حاصلات، ذہنی رسائی اور عمدہ اسلوب کی پیروی ہمارا نصب العین ہے۔ مصنفین نے اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی سی کوشش کی ہے۔ تاہم آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب میں کسی قسم کی لسانی اور علمی نوعیت کی غلطیاں ملیں تو ہمیں آگاہ فرمائیں اور مزید بہتری کے لیے تجاویز ہماری ویب سائٹ یا ای میل پر پیش کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی درستی کی جاسکے۔ تعاون کے لیے ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

حتیٰ الامکان کوشش کی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہو۔ حکومتِ پاکستان کی ہدایات کے مطابق کتاب میں اس بات کو بھی یقینی بنایا گیا ہے کہ مختلف حوالوں سے وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے حضور نبی کریم خاتم النبیین ﷺ کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے جو نوٹیفکیشن جاری ہوتے رہے ہیں ان پر بھی مکمل طور پر عمل کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر راجا مظہر حمید
مینجنگ ڈائریکٹر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے

فہرست

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر
	باب اول: قرآن مجید و حدیثِ نبوی ﷺ	
1	ترجمہ قرآن مجید	۲
2	حفاظت وتدوین (دورِ اوّل)	۷
3	احادیثِ نبوی ﷺ	۱۲
	باب دوم: ایمانیات وعبادات	
4	ملائکہ پر ایمان	۲۶
5	کتبِ سماویہ	۳۲
6	عقیدۂ آخرت	۳۷
7	زکوٰۃ اور عُشر	۴۳
8	حج اور قربانی	۴۸
	باب سوم: سیرتِ طیبہ ﷺ	
9	غزوۂ تبوک	۵۶
10	حجۃ الوداع	۶۱
11	وصال نبی ﷺ	۶۶
12	نبی کریم ﷺ بہ طور سرچشمہ ہدایت (صلہ رحمی)	۷۰
13	نبی کریم ﷺ بہ طور سرچشمہ ہدایت (خواتین کے ساتھ حُسن سلوک)	۷۴
14	نبی کریم ﷺ بہ طور سرچشمہ ہدایت (انداز تربیت)	۷۸
	باب چہارم: اخلاق و آداب	
15	اخلاص وتقویٰ	۸۴
16	پردہ پوشی	۸۸
17	جھوٹ	۹۲
18	غیبت اور بہتان	۹۷
19	جادو، فال اور توہم پرستی	۱۰۱
	باب پنجم: حُسنِ معاملات و معاشرت	
20	سُود کی حُرمت	۱۰۶
21	اسلامی ریاست	۱۱۲
22	جہاد فی سبیل اللہ	۱۱۸
	باب ششم: ہدایت کے سرچشمے اور مشاہیر اسلام	
23	حضرت امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۴
24	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	۱۲۷
25	صحابیات کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہن: حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا، حضرت اُم عمارہ رضی اللہ عنہا، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	۱۳۴
26	صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم: حضرت عثمان مروندی المعروف شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید عبد اللطیف کاظمی المعروف امام بری رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۹
27	علماء و مفکرین رحمۃ اللہ علیہم، شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن رُشد رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۵
	باب ہفتم: اسلامی تعلیمات اور عصر حاضر کے تقاضے	
28	اسلام میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت	۱۵۰
29	اسلامی تہذیب کے امتیازات	۱۵۶

باب اوّل

قرآن مجید و حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ واصحابہٖ وسلم

الف۔ ترجمہ قرآن

حاصلاتِ تعلّم

طلبہ شاملِ نصاب سورتوں کے ترجمے کی تکمیل کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ:

علم

- مذکورہ سورتوں کا تعارف اور شانِ نزول جان سکیں۔
- سورتوں کے منتخب الفاظ کے معانی جان سکیں۔
- مذکورہ سورتوں کا بامحاورہ ترجمہ پڑھ کر سمجھ سکیں۔
- سورتوں میں موجود تعلیمات کو سمجھ سکیں۔

صلاحیت

- تلاوتِ قرآن مجید کے آداب پر عمل کر سکیں۔
- منتخب سورتوں میں مذکورہ تعلیمات کو سمجھ کر روز مرّہ زندگی میں ان پر عمل کر سکیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ (6)	سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ (7)	سُوْرَةُ يُوْنُس (10)	سُوْرَةُ هُوْدٍ (11)
سُوْرَةُ الرَّعْدِ (13)	سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ (14)	سُوْرَةُ الْحِجْرِ (15)	سُوْرَةُ النَّحْلِ (16)
سُوْرَةُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (17)	سُوْرَةُ الْكَهْفِ (18)	سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ (23)	سُوْرَةُ الزُّمَرِ (39)
سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ (40)	سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ (41)	سُوْرَةُ الشُّوْرٰى (42)	

سرگرمیاں برائے طلبہ

- منتخب سورتوں میں سے کسی ایک موضوع پر تحقیقی مضمون لکھیں۔
- مذکورہ سورتوں میں سے کسی ایک کے مرکزی مضامین پر مشتمل ایک چارٹ بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو منتخب سورتوں کے لفظی و بامحاورہ ترجمہ، تعارف اور شانِ نزول کے لیے العلم فاؤنڈیشن کے مرتب کردہ نصاب میں سے حصہ پنجم کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

ب۔ حفاظت وتدوین حدیث

دور اول (عہد نبوی ﷺ، عہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- تدوینِ حدیث شریف کی اہمیت کے بارے میں جان سکیں۔
- عہدِ رسالت میں تدوینِ حدیث شریف کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
- قرونِ اولیٰ میں حدیث شریف کی جمع وتدوین کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین کی خدمات کی اہمیت جان سکیں
- نبی کریم ﷺ کے دور میں حدیث شریف کی جمع وتدوین کے طریق کار کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- حدیث شریف کی تدوین اور حفاظت کے بارے میں جان کر یہ ایمان پختہ کریں کہ قرآن مجید کے بعد حدیث شریف ہدایت اور رہنمائی کا اولین ذریعہ ہے۔
- حدیث شریف اور سنّت کی اہمیت و حجیت کو جان کر ان پر ایمان مضبوط کریں اور فتنہ انکار حدیث سے محفوظ رہیں۔

حدیث وسنّت کا معنیٰ ومفہوم

حدیث کا لغوی معنیٰ کوئی نئی بات کرنا، کوئی خبر یا کوئی بیان وغیرہ کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات کو حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کا اطلاق سنت سمیت قول اور فعل پر کیا جاتا ہے۔ جب کہ سنت خاص ہے اور اس سے مراد آپ ﷺ کا طریقۂ زندگی ہے۔ حدیث کی تین اقسام ہیں۔ (1) حدیث قولی (2) حدیث فعلی (3) حدیث تقریری۔

حدیث کی اہمیت اور اس کی دینی حیثیت:

جس طرح قرآن کریم ہمارے لیے حجت ہے اسی طرح حدیث بھی حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر جہاں اپنی اطاعت کو لازم قرار دیا وہیں اپنے پیارے نبی کریم ﷺ کی اطاعت بھی لازم قرار دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی اطاعت کرو۔

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں امت کے لیے بہترین رہنمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: یقیناً تمھارے لیے اللہ کے رسول (خاتم النبیین ﷺ کی ذاتِ مبارکہ) میں بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ سیرت وسنت اور حدیث کے اس قیمتی سرمایہ کو امت نے محفوظ کر لیا ہے جس سے ہر زمانے اور ہر دور میں ہدایت ورہنمائی ملتی رہے گی۔

عہد نبوی ﷺ و صحابہ رضی اللہ عنہم میں حفاظت و تدوین حدیث کے طریقے:

قرآن مجید کی حفاظت کی طرح حدیث نبوی ﷺ کی بھی حفاظت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث نبوی کو حفظ کیا، انھوں نے احادیث نبویہ کو لکھ کر محفوظ کیا اور سب سے بڑھ کر فرمان نبوی اور سیرت و سنّت نبوی کی عملی پیروی کر کے پوری انسانیت کے لیے رہنمائی کا سامان کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حفاظت حدیث کے تین ذرائع اختیار کیے تھے۔ ان میں حفظ، کتابت اور تعامل اُمّت شامل ہے۔

۱۔ حفظِ حدیث

اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ حافظہ جیسی خاص نعمت دی ہے، جس سے انسان اپنے مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ عرب بے پناہ قوت حافظہ کے مالک تھے۔ ان کو ہزاروں اشعار، ضرب الامثال اور واقعات یاد تھے۔ نسب کو محفوظ رکھنا ان کا معمول تھا۔ جس طرح انھوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اسی طرح حدیث و سنّت نبوی کو اپنے حافظہ میں محفوظ کیا۔ نبی کریم ﷺ نے حفظ حدیث کی ترغیب بھی دی۔ ارشاد نبوی ہے:

> ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے میری حدیث کو سنا پھر اس کو یاد کیا پھر اسی طرح آگے پہنچایا جس طرح کہ سنا تھا''۔ (سنن ترمذی: 2657)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

> ترجمہ: ''ہم لوگ رسول اللہ ﷺ سے حدیثیں سنتے اور جب آپ ﷺ مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم آپس میں حدیثوں کا دور کرتے۔ یکے بعد دیگرے ہم میں ہر شخص ساری حدیثیں بیان کرتا، اکثر رسولِ اکرم ﷺ کی محفل میں بیٹھنے والوں کی تعداد ساٹھ تک ہو جاتی اور وہ سب باری باری بیان کرتے۔ پھر ہم اُٹھتے تو حدیثیں یوں یاد ہوتیں کہ گویا وہ ہمارے دلوں پر نقش ہو گئی ہیں۔'' (مسند ابو یعلیٰ: 3981)

۲۔ کتابتِ حدیث

حفظ حدیث کے بعد احادیث نبویہ ﷺ کی حفاظت کا دوسرا طریقہ کتابت حدیث تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے زمانے میں کتابت حدیث کا انداز یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ محفل میں تشریف فرما ہوتے اور جو کچھ فرماتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لکھتے جاتے۔ آپ ﷺ بات کو دو دو، تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ لوگوں کے سمجھنے میں سہولت ہو۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے دربار رسالت میں عرض کی کہ ہمیں آپ کی بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں اور انھیں لکھ لیتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: **''لکھ لیا کرو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''** (کنز العمال 223/5)

آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ سے حدیث لکھنے کی اجازت مانگی اور آپ ﷺ نے انھیں اجازت دے دی۔ (طبقات ابن سعد جلد 4، صفحہ: 11)۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیا تو ایک یمنی صحابی ابو شاہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے (یہ مسائل) لکھوا دیجیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابو فلاں کے لیے (یہ مسائل) لکھ دو۔ (صحیح بخاری: 112)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے فرمودات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہر وقت اسی کوشش میں رہتے کہ آنحضرت ﷺ کی زبانِ مبارک سے جب بھی کوئی بات نکلے میں فوراً اسے ضبطِ تحریر میں لے آؤں۔ حتیٰ کہ لوگوں نے ان پر اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کبھی غصے اور کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کی ہر بات لکھ لیتے ہو؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں احادیث لکھنے سے رُک گیا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(ہر حال میں) لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا...

(سنن ابی داؤد:3646)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی لکھی ہوئی احادیث مبارکہ محفوظ رہیں اور وہ آگے اولاد دَر اولاد منتقل ہوتی گئیں۔ ان میں زیادہ نمایاں وہ احادیث تھیں جن کا تعلق زکوٰۃ وغیرہ سے تھا۔ ابتدا میں نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی کتابت کے علاوہ کوئی اور چیز لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی حفاظت ہو سکے۔ قرآن مجید اور احادیث کے متن میں فرق کیا جا سکے، جب صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اس سے پوری طرح آگاہ ہو گئے تو پھر آپ ﷺ نے حدیث لکھنے کی اجازت دے دی۔

۳۔ حفاظتِ حدیث بذریعہ تعامل

حدیث کی حفاظت کا تیسرا طریقہ تعامل اُمّت ہے یعنی اُمّت مُسلمہ کا آپ ﷺ کے ارشادات اور افعال کی عملی پیروی کرنا ہے۔ یہی عمل تواتر کے ساتھ اب تک جاری ہے، مثلاً آپ ﷺ نے جس طرح نماز ادا فرمائی آج بھی ہم اسی طرح ادا کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی میں پائے جانے والے اعمال و افعال جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں منتقل ہو گئے تو گویا خود آنحضرت ﷺ کی زندگی عملی طور پر محفوظ ہو گئی اور اسے ہی 'تعامل' کہا جاتا ہے۔ یہی تعامل حضور ﷺ کی زندگی کو تسلسل کے ساتھ اگلے لوگوں میں نسل دَر نسل بڑھاتا رہا ہے۔ تعامل کا یہ سلسلہ صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین تک معیاری اور قابل اعتبار تسلیم کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں احادیثِ مبارکہ کتابی شکل میں لوگوں کی رہ نمائی کے لیے موجود ہیں۔

قرونِ اُولیٰ میں احادیثِ مبارکہ کی جمع و تدوین

ا۔ کتب اور صحائف

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے تفصیلی کتاب لکھوائی اور اسے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ چند عمومی نصائح کے علاوہ اس کتاب میں طہارت، نماز، زکوٰۃ، عشر، حج، عمرہ، جہاد، مال غنیمت، دیت، انتظامی اور تعلیمی امور وغیرہ جیسے موضوعات سے متعلق احکام شریعت مذکور تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عہد خلافت میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان صدقات کی تلاش کے لیے اہلِ مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ مجموعہءِ احکام صدقات عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے مل گیا۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جب مدینہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے کچھ دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے جب وطن جانے لگے تو آپ نے ایک صحیفہ لکھوا کر انھیں دیا جس میں نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکام تھے۔ (طبرانی صغیر، ص: 241-242)۔ حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں اپنے گورنروں کے پاس بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی۔انھی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ہزار احادیث پر مشتمل **صحیفہ صادقہ** بھی ہے جو اب مسند احمد میں مکمل طور پر موجود ہے۔

صحیفہ علی رضی اللہ عنہ: یہ صحیفہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا تھا۔اس میں زکوٰۃ، صدقات، دیت، قصاص، حرمت مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے۔یہ صحیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے پاس تھا پھر حضرت امام جعفر رحمہ اللہ کے پاس آیا اور انھوں نے حارث کو لکھ کر دیا۔

صحیفہ ہمام ابن منبہ جس کا اصل نام **الصحیفۃ الصحیحہ** ہے۔یہ ہمام بن منبہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔انھوں نے یہ صحیفہ جس میں 138 حدیثیں درج ہیں، لکھ کر اپنے استاد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو پیش کر کے اس کی تصحیح کرائی تھی۔یہ صحیفہ سن 58 ہجری سے پہلے ہی ضبطِ تحریر میں لایا گیا تھا۔

۲۔ خطوط ووثائق

احادیث کے ان کتابی ذخیروں کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں وہ خطوط اور وثیقے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں بادشاہوں، قبیلوں، سرداروں اور دوسرے لوگوں کے نام لکھوائے اور خود ان پر مہر ثبت کی۔معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے عہد نبوی و خلفائے راشدین کے ان خطوط اور وثائق کو ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

۳۔ گورنروں اور مختلف وفود کو تحریری ہدایات:

آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب میں سے مختلف حضرات کو صوبوں کے گورنر نامزد فرماتے تو ان کے لیے دستاویزات لکھوایا کرتے تاکہ اس کی ہدایات کے مطابق وہ بہ طور حاکم یا قاضی اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے عہدہ برآ ہو سکیں۔جب آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر مقرر فرما کر حجر کے زرتشتی مذہب کے لوگوں کی جانب بھیجا تو انھیں ہدایات لکھوائیں جن میں زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں مختلف احکام شریعت بتلائے گئے تھے۔اسی طرح حضرت معاذ بن جبل اور مالک بن مرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو آپ ﷺ نے یمن بھیجا تو انھیں ایک دستاویز بھی عنایت فرمائی جس میں آپ نے احکام شریعت لکھوائے تھے۔

مدینہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے مختلف عرب قبائل اسلام قبول کر لینے کے بعد وفود کی شکل میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔یہ وفود مدینہ منورہ میں ایک عرصے تک قیام پذیر رہتے اور اس دوران میں تعلیمات اسلام سیکھتے، قرآن پاک پڑھتے اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات سنا کرتے۔اپنے وطن واپسی پر ان میں سے کئی نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے لیے اور ان کے قبیلوں کے لیے کچھ ہدایات لکھوا دیں۔آنحضرت ﷺ ان کی یہ درخواست قبول فرما لیا کرتے اور ایسے معاملات کے بارے میں احکام شریعت پر مشتمل ہدایات لکھوا دیتے جو ان کے لیے زیادہ ضروری ہوتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیض حاصل کیا، انھوں نے آپ کی احادیث کو حفظ کیا، آپ کے ارشادات کو لکھا اور محفوظ کیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کرام رحمہ اللہ عنہم کا دور آیا۔تابعین کرام رحم اللہ عنہم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ کی حدیث سنی، ان سے دین سیکھا، اور ان کے بعد کی نسلوں میں منتقل کیا۔سب سے پہلے حدیث کی تدوین اور اس کو کتابی شکل میں جمع کرنے کا

حکومت کی جانب سے حکم حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱ھ) نے دیا تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مبارک دور میں احادیث کی باضابطہ تدوین ہوئی۔ اس طرح تدوینِ حدیث کے اس اہم کام کا آغاز ہوا جس کے نتیجہ میں پہلی صدی کے آخر میں حدیث کی بہت سی کتابیں وجود میں آگئی تھیں۔ حدیث کی حفاظت اور کتابت کا آغاز زمانۂ رسالت ہی سے ہو گیا تھا اور حدیث کی حفاظت کے لیے حفظِ روایت، طریقۂ تعامل اور تحریر سے کام لیا گیا، اور تیسری صدی ہجری تک حدیثوں کو پورے طور پر مدّون کر دیا گیا۔

مشق

سوال نمبر ا۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

ا۔ احادیثِ نبوی ﷺ کو سب سے پہلے حفظ کیا:

الف۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے　　ب۔ تابعین نے　　ج۔ تبع تابعین نے　　د۔ فرشتوں نے

۲۔ فرمانِ مصطفی ﷺ کے مطابق، اللہ تعالیٰ اسے خوش رکھے جو حدیث کو سنے، یاد کرے اور:

الف۔ عمل کرے　　ب۔ آگے پہنچائے　　ج۔ لکھے　　د۔ پڑھے

۳۔ حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کے صحیفے میں احادیث درج ہیں:

الف۔ 128　　ب۔ 138　　ج۔ 148　　د۔ 158

۴۔ احادیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت کا تیسرا مرحلہ تھا:

الف۔ تعاملِ امت　　ب۔ کتابتِ حدیث　　ج۔ حفظِ حدیث　　د۔ بیانِ حدیث

۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رحلت کے بعد صحیفہ علی محفوظ تھا:

الف۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس　　ب۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس

ج۔ حضرت محمد بن حنفیہ کے پاس　　د۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

ا۔ حدیث و سنّت کا مفہوم بیان کریں؟

۲۔ حدیث کی اہمیت بیان کریں؟

۳۔ حدیثِ نبوی کی حفاظت کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات تحریر کریں

ا۔ عہدِ نبوی میں حفاظت حدیث کے لیے کون سے ذرائع اختیار کیے گئے؟

۲۔ عہدِ نبوی اور عہدِ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین میں احادیثِ نبوی کے کون کون سے صحائف لکھے گئے؟

ج۔ احادیثِ نبوی ﷺ

حاصلاتِ تعلّم

طلبہ ان احادیث مبارکہ کو پڑھنے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ:

صلاحیت	علم
• احادیث میں موجود موضوعات کو سمجھ کر اپنی روز مرّہ زندگی میں ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔	• طلبہ وبائی امراض سے متعلق فرمانِ نبوی ﷺ کے بارے میں جان سکیں۔ • عقیدہ توحید، بے ہودہ گوئی اور بے جا تکرار سے متعلق حدیثِ نبوی ﷺ سے آگاہ ہو سکیں۔ • یتیموں، عورتوں اور پڑوسیوں کے حقوق، رشوت ستانی کی لعنت اور قرآن مجید کی عظمت سے متعلق احادیثِ نبوی ﷺ سے باعلم ہو سکیں۔ • احادیث میں موجود موضوعات کو سمجھ کر اپنی روز مرہ زندگی میں ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

دس احادیث مع ترجمہ و تشریح

حدیث نمبر ۱

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الطَّاعُونَ، فَقَالَ: "بَقِيَّةُ رِجْزٍ، أَوْ عَذَابٍ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوا عَلَيْهَا" (جامع ترمذی: 1065) (شرح الکافی۔ الاصول والروضۃ، ج 12، ص: 43)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے طاعون کا ذکر کیا، تو فرمایا: یہ اس عذاب کا بچا ہوا حصہ ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھیجا گیا تھا جب کسی زمین (ملک یا شہر) میں طاعون ہو جہاں پر تم رہ رہے ہو تو وہاں سے نہ نکلو اور جب وہ کسی ایسی سر زمین میں پھیلا ہو جہاں تم نہ رہتے ہو تو وہاں نہ جاؤ۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں طاعون سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ طاعون: احادیث مبارکہ میں ذکر کردہ طاعون ایک خاص بیماری ہے۔

۲۔ طاعون کی صورت میں احتیاطی تدابیر

طاعون وبائی بیماری ہے۔ تیزی سے پھیلتی ہے ایسی بیماریاں جو وبا کی صورت اختیار کر لیتی ہیں، جیسے ہیضہ، گردن توڑ بخار، کرونا وائرس وغیرہ میں بہت زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں۔ ان وبائی امراض کا پھیلاؤ کم کرنے کے لیے مخصوص پابندیاں اختیار کرنے سے زیادہ جانی نقصان سے بچا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے ہدایت و تعلیم دی ہے کہ:

۱۔ جب کسی زمین، ملک اور شہر میں طاعون ہو جہاں تم رہ رہے ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔

۲۔ کسی ایسی زمین، شہر، ملک میں جہاں طاعون پھیل گیا ہے، اور وہاں تم رہتے بھی نہیں تو وہاں نہ جاؤ۔

وبائی امراض بہت تیزی سے پھیلتے ہیں۔ یہ ایک انسان سے دوسرے انسان میں منتقل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں، احتیاطی تدابیر میں یہ بات شامل ہے کہ جہاں یہ بیماریاں پھیل چکی ہیں وہاں نہ جایا جائے، وہاں جانا اپنے آپ کو موت کی مُنھ میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ جہاں طاعون پھیل چکا ہو یا کوئی اور وبائی بیماری پھیل گئی ہو تو وہاں رہنے والے، اس علاقے سے باہر نہ نکلیں تاکہ یہ وبا دوسرے علاقوں تک نہ پہنچ پائے، اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے اپنی تقدیر پر راضی ہو کر گھر میں رہیں اور جو تکلیف ملے اس پر صبر کریں تو اُن کے لیے اجر و ثواب ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

ترجمہ: طاعون مسلمان کے لیے شہادت کے درجے کا باعث ہے۔ (صحیح بخاری: 2830)

جو شخص بھی طاعون کی صفات والی دیگر وبائی بیماریاں میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور وبائی علاقے سے نکلنے کے بجائے اپنے گھر میں رہے اور جو بھی تکلیف آئے اس پر صبر کرے تو ایسا شخص بھی شہید کا مرتبہ حاصل کرے گا۔

حدیث نمبر ۲

إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا فَيَرْضٰى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ

(صحیح مسلم: 1715) (تہذیب الاحکام، ج7، ص:232)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے تمھاری تین باتوں سے اور ناخوش ہوتا ہے تین باتوں سے۔

کہ تم عبادت کرو اس کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس کی رسی سب مل کر پکڑے رہو۔ (یعنی قرآن پر عمل کرتے رہو) اور پھوٹ مت ڈالو۔ اور ناخوش ہوتا ہے بے فائدہ گفتگو سے اور بہت زیادہ سوال کرنے سے اور مال کو ضائع کرنے سے۔"

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں اُن اہم چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں یا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف۔ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ۲۔ شرک نہ کرنا ۳۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا، تفرقہ نہ کرنا

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ عبادت و بندگی کے لائق فقط ذات باری تعالیٰ ہے۔ مخصوص عبادات کے علاوہ عبادت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے اُن کو بجالایا جائے اور جن کاموں اور امور سے منع فرمایا ہے، اُن سے باز رہا جائے یعنی انسان اپنی پوری زندگی اور روز مرہ کے معاملات اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سرانجام دے تو سب عبادات قرار پاتے ہیں۔

۲۔ شرک نہ کرنا

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر مکمل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے شرک سے اپنے آپ کو بچائے، شرک گناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ معاف فرمادیں گے مگر شرک کو معاف نہیں فرمائیں گے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا اور تفرقہ نہ کرنا

اللہ تعالیٰ کی رسی سے مراد، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے۔ قرآن مجید بالکل سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ یہ حق و باطل کو واضح کرنے والی کتاب ہے یہ تمام قوموں اور انسانوں کے لیے قیامت تک نصیحت و ہدایت ہے۔ اس کتاب ہدایت کے مطابق زندگی گزاریں، آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں، اتحاد و اتفاق سے رہیں تو ہم کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔

ب۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ چیزیں

۱۔ قیل و قال یعنی بے فائدہ گفتگو ۲۔ مال ضائع کرنا ۳۔ کثرتِ سوال

۱۔ قیل و قال

اس سے مراد بے مقصد بے فائدہ اور فضول باتیں ہیں جن سے نہ دین کا کوئی فائدہ اور نہ دنیا کا بلکہ اپنے قیمتی وقت کو فضول اور لغو بات چیت میں ضائع کرنا ہے۔ انسان کے لیے لازم ہے کہ جب بھی کوئی بات کرے تو نیکی و بھلائی کی بات کرے ورنہ خاموش رہے، اس سے وہ بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے۔

۲۔مال ضائع کرنا

حلال و طیب مال اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اس کی حفاظت کرنے، اسے اپنے لیے، اپنے رشتہ داروں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ناپسندیدہ عمل ہے۔مال ضائع کرنے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً اس کی مکمل حفاظت نہ کرنا، مال بڑھانے کی کوشش نہ کرنا، فضول خرچی کرنا، حرام کاموں پر خرچ کرنا، جن اشیاء اور چیزوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے انھیں پھینک دینا۔یہ تمام امور ناپسندیدہ ہیں،ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔کثرتِ سوال

کثرت سوال بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔اس سے ایک مراد تو یہ ہے کہ بغیر حاجت و ضرورت دوسروں سے مال وغیرہ مانگنا اور ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دین و دنیا سے متعلق لایعنی اور بے مقصد فضول سوالات کرنا، یہ دونوں امور ناپسندیدہ ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا، مانگنا مناسب نہیں،انسان قابل تکریم ہے۔ ضرورت مندوں کی خدمت کی جائے تاکہ وہ سوال نہ کریں، یہی وجہ ہے کہ اوپر والے ہاتھ کو نیچے والے ہاتھ سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ کثرت سوال میں یہ بات بھی شامل ہے کہ لایعنی، بے مقصد اور فضول سوالات کیے جائیں، سوالات کا مقصد تفہیم و تشریح نہ ہو بلکہ اس کا مقصد اعتراض، شکوک و شبہات پیدا کرنا ہو، ایسے سوالات کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔اس سے بچنا چاہیے۔

حاصل حدیث یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کے مطابق زندگی گزاریں تاکہ اُس کے نیک بندوں میں شمار کیے جائیں اور ہماری دُنیا و آخرت سنور جائے۔

حدیث نمبر ۳

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ (صحیح بخاری:2320)(مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل،ج13،ص:460)

ترجمہ: کوئی بھی مسلمان جو ایک درخت کا پودا لگائے یا کھیتی میں بیج بوئے، پھر اس میں سے پرندیا انسان یا جانور جو بھی کھاتے ہیں وہ اس کی طرف سے صدقہ ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے درخت لگانے اور کھیتی میں بیج بونے سے مخلوق خداوندی کو جو فائدے ملتے ہیں اُن کو صدقہ قرار دیا ہے۔درخت اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ ایک ایک دانے اور گٹھلیوں کو چیرنے والا ہے۔ایک دانے سے کس قدر بڑا درخت پیدا ہوتا ہے۔ان درختوں اور پودوں سے قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں درختوں سے انسانوں اور دیگر مخلوقات کو بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ درخت انسانوں، جانوروں اور پرندوں کے لیے سایہ فراہم کرتے ہیں۔چرند، پرند اور حیوانات کا مسکن بھی درخت ہیں۔

۲۔ درختوں کی شاخوں سے انسان، جانور اور پرندے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۳۔ درختوں میں لگنے والے پھل انسانوں اور دیگر مخلوقات کے رزق کا ذریعہ ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پھل دار درختوں، زیتون، انگور، انار، کھجور وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔ اس طرح کھیتی میں اناج اور دیگر اجناس اور سبزیاں بھی انسان اور دیگر مخلوقاتِ خداوندی کی ضروریات ہیں۔ جو بھی ان کو کاشت کرے گا اور اس سے مخلوق خداوندی کو فائدہ پہنچائے گا، تو یہ اُس کے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

۵۔ درخت لگانا رحمت الٰہی ہے۔ درخت لگانے سے کسی بھی ملک کی معیشت مضبوط ہوتی ہے۔ زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ درخت روزگار کا ذریعہ ہیں۔

۶۔ درخت لگانے سے ماحول درست اور خوبصورت ہو جاتا ہے۔ درخت ہمیں صاف ہوا فراہم کرتے ہیں۔ آبی کٹاؤ کو روکتے ہیں۔ آب و ہوا کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ درجہ حرارت کو توازن بخشتے ہیں۔

۷۔ آج صنعتی ترقی کی وجہ سے آلودگی بڑھ گئی ہے۔ فضائی، آبی، زمینی، صوتی و سمندری آلودگی سے انسانوں اور دیگر مخلوقات کی زندگیوں کے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔ ایسے ماحول و حالات میں شجر کاری، باغات اور جنگلات کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے شجر کاری مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ اپنے گھر، شہر اور ملک کو درختوں سے سجائیں، یہ عمل ہمارے لیے صدقہ کی طرح باعث اجر و ثواب ہے۔

حدیث نمبر ۴

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ (صحیح بخاری: 6018)(وسائل الشیعہ، ج12، ص:127)

ترجمہ: جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ اپنے مہمانوں کی تکریم کرے۔ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اہل ایمان کو تین اہم امور کی تلقین کی ہے، جن میں ہمسائے کو تکلیف نہ دینا، مہمان کی تکریم کرنا اور خیر و بھلائی کی بات کرنا یا پھر خاموش رہنا۔ ان کی تفصیلات قرآن و سنت میں درج ذیل ہیں؛

۱۔ پڑوسی کو اذیت نہ دینا

پڑوسی کوئی بھی ہو چاہے کافر ہو یا مسلمان یا کوئی قریبی رشتہ دار سبھی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ایمان میں کامل اور اعلی اخلاقی اقدار کا حامل وہ مسلمان ہے جو اپنے ہمسائے کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ پڑوسی کے ساتھ بھلائی یہ ہے کہ اس کی مدد کرے، اس کے دکھ درد میں شریک ہو، اس کی خیر خواہی میں لگا رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی محلے کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے افضل اور بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

پڑوسی کو اذیت دینا بُرے اخلاق میں سے ہے۔ اگر کسی مسلمان کا پڑوسی اس سے خوف زدہ ہے اور اسے تکلیف پہنچ رہی ہے تو وہ بدنصیب جنت میں داخل نہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کی شرارتوں اور ایذاء رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔ (صحیح مسلم: 73)

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ قسم کھا کر فرمایا خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ صحابہ نے دریافت کیا کون یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔
(صحیح بخاری: 6016)

۲۔ مہمان کی تکریم اور عزت افزائی

مہمان کی عزت و تکریم ایمان کی علامت ہے۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ اور اسوہ حسنہ ہے۔ مہمان نوازی یہ ہے کہ مہمان کو کھانا کھلایا جائے۔ اس کی جو خدمت ہوسکتی ہے کی جائے۔ اس کے لیے رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ مہمان کی عزت و توقیر اسلامی معاشرہ کی اعلیٰ اخلاقی قدر ہے جس سے مہمان کے دل میں میزبان کی عزّت اور محبّت بڑھتی ہے، آپس کے تعلّقات مضبوط ہوتے ہیں، رنجشیں دور ہوتی ہیں، رزق میں برکت ہوتی ہے، سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

۳۔ اچھی بات کرنا یا پھر خاموش رہنا۔

خیر اور بھلائی کی بات سے مراد سچی بات کرنا، نیکی کی بات کرنا، اخلاق و آداب کی بات کرنا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرۃ: 83)

ترجمہ: اور لوگوں سے اچھی بات کہنا۔

جھوٹ، غیبت، بدکلامی، اور فضول بات سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا اعلیٰ اخلاق میں سے ہے۔ خاموشی اختیار کرنا بھی بہتر ہے۔ بے مقصد بات اور لایعنی گفتگو سے اجتناب کرنا اور خاموشی اختیار کرنا اہلِ ایمان کا خاص شیوہ ہے۔ ان ہی اخلاقی اقدار پر عمل کر کے ہم بہترین انسان اور مسلمان بن سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ، وَلَا يَحْقِرُهٗ (صحیح مسلم: 2564) (الکافی، ج2، ص: 168)

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اُس پر نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اُسے حقیر جانتا ہے۔

تشریح:

قرآن مجید میں اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (الحجرات: 10)

ترجمہ: بے شک سب اہل ایمان (تو آپس میں) بھائی بھائی ہیں

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث مبارکہ میں مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان میں سے تین حقوق کی تعلیم دی ہے:

۱۔ مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا۔

۲۔ مسلمان دوسرے مسلمان کو بے یار و مدد گار نہیں چھوڑتا۔

۳۔ مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر نہیں جانتا۔

اسلامی اخوت اور بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے خیر خواہ، مدد گار، غمگسار اور شکر گزار ہوں۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، سہارا بننے والے اور مصیبت میں کام آنے والے ہوں۔ ہر مسلمان اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے والا اور ہر کسی سے مساوی سلوک کرنے والا ہو۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر، افضل اور اشرف نہ سمجھے۔ کوئی مسلمان کسی کو حقارت و نفرت سے دیکھنے والا نہ ہو۔

حدیث نمبر ۶

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيفَيْنِ الْيَتِيمِ وَالْمَرْأَةِ (سنن ابن ماجہ: 3678) (بحار الانوار، ج 61، ص: 273)

ترجمہ: اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسری عورت۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے انسانی معاشرہ کے دو کمزور طبقات یتیم اور عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کی تلقین فرمائی ہے۔

۱۔ یتیم کے حقوق:

قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں یتیموں کے حقوق میں یہ شامل ہے کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، ان کی کفالت کی جائے، ان کے مال و جائیداد کی حفاظت کی جائے، ان کی تعلیم و تربیت کی جائے، ان کا مال نہ کھایا جائے نہ ضائع کیا جائے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (سورۃ النساء: 2)

ترجمہ: اور یتیموں کو اُن کے مال ادا کرو اور (اپنی) ردی چیز کو (اُن کی) عمدہ چیز سے نہ بدلو اور اُن کا مال اپنے مال کے ساتھ (ملا کر) نہ کھاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیموں کا ناجائز طور پر مال کھانا اپنے پیٹ کو آگ سے بھرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (سورۃ النساء: 10)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بے شک وہ اپنے پیٹوں میں آگ (ہی) بھرتے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں جُھلسیں گے۔

۲۔ عورتوں کے حقوق

اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے روپ میں عزت دی ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو وہ تمام حقوق عطا کیے ہیں جو مردوں کو دیے ہیں۔ خواتین کی جان، مال عزت وآبرو اور دیگر سماجی، سیاسی، معاشی حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (سورۃ البقرۃ:228)

ترجمہ: اور عورتوں کے بھی ویسے ہی حق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حق ہیں۔

ماں کے حقوق میں اس کا شکر ادا کرنا، اس کے ساتھ نیکی سے پیش آنا اور خدمت کرنا۔ حسن سلوک سے پیش آنے کے سلسلے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے، بچے کی پیدائش اور تربیت کے سلسلے میں ماں کو زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اسلام نے بیٹیوں کو زندگی کا حق دیا ہے۔ جو شخص اس کے حق سے روگردانی کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ (التکویر:8،9)

ترجمہ: اور جب زندہ دفن کی ہوئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی۔

اسلام نے عورتوں کو علم حاصل کرنے کا حق دیا۔ نیز بیٹیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دلائی اور اس کی ترغیب دی، رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: ”جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی ان کو تعلیم تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔“ (سنن ابوداؤد:5147)

حدیث نمبر ۷

مَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سنن ابن ماجہ:۱)(شرح اصول الکافی، ج2، ص:334)

ترجمہ: جس کام کا میں تمھیں حکم دوں، اس پر عمل کرو اور جس سے منع کروں، اس سے باز رہو۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جن باتوں کو کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنا اور جن سے منع فرمایا ان کو نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کہلاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور (اُس کے) رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی اطاعت کرو۔

ہر مسلمان پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کرنا لازمی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ میں مسلمانوں اور پوری انسانیت کے لیے قیامت تک بہترین نمونہ زندگی موجود ہے۔ آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاو آخرت میں کامیابی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا (الاحزاب: 71)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اُس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی اطاعت کرے تو یقیناً اُس نے بہت عظیم کامیابی حاصل کی۔

دین اسلام کے بنیادی مصادر اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد: 33)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع مت کرو۔

رسول اکرم ﷺ کی اطاعت صرف آپ ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے فرض قرار دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ترجمہ: "میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا انکار کس نے کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (صحیح بخاری: 7280)

دین اسلام میں اتباع سنت کی حیثیت بنیادی تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔ اتباع سنت کی دعوت چند عبادات کے مسائل تک محدود نہیں بلکہ یہ دعوت ساری زندگی پر محیط ہونی چاہیے۔ جس طرح عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) میں اتباع سنت مطلوب ہے اسی طرح اخلاق و کردار، کاروبار، حقوق العباد اور دیگر معاملات میں بھی اتباع سنت مطلوب ہے۔ گویا اپنی پوری زندگی میں خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، مسجد کے اندر ہو یا مسجد کے باہر، بیوی بچوں کے ساتھ ہو یا دوست احباب کے ساتھ، ہر وقت، ہر جگہ سنت کی پیروی مطلوب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پیروی میں ہی ہماری نجات ہے۔

حدیث نمبر ۸

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (صحیح مسلم: 2563) (وسائل الشیعہ، ج 27، ص: 60)

ترجمہ: تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔

گمان سے مراد کسی فرد یا چیز کے بارے میں اندازہ لگانا اور بغیر تحقیق کے کوئی رائے قائم کرنا ہے۔ بدگمانی دوسروں کے بارے میں غلط سوچنے کے معنی میں ہے۔ انسان دوسروں کے کردار و گفتار کے بارے میں ناروا خیالات سے دوچار ہو، بدگمانی ایک بڑی معاشرتی برائیوں میں سے ہے۔ بدگمانی ایک قسم کا جھوٹ اور وہم ہے۔ اس بیماری میں مبتلا شخص کو ہر دوسرے شخص میں کوئی اچھائی معلوم نہیں ہوتی ہے اور کسی کام میں نیک نیتی نظر نہیں آتی۔ بدگمانی سے آپس میں نفرت، بغض و عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ بدگمانی ایسی برائی ہے جو انسان میں موجود اخلاقی خوبیوں کو بھی نگل جاتی ہے۔ ایسا شخص حقیقت و سچائی کا ادراک کرنے سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ جس قوم اور گھر میں بدگمانی عام ہو جائے وہاں شر اور فساد ہی پیدا ہوتا ہے۔ وہاں تعمیر کے بجائے تخریب ہوتی ہے، اور آپس کے تعلقات میں خیر خواہی نہیں ہوتی۔

قرآن کریم میں بدگمانی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور اسے گناہ قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:12)

ترجمہ: اے ایمان والو! بدگمانی سے بہت زیادہ بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

جھوٹ وہی نہیں جو زبان سے ہو بلکہ دل میں کسی کے بارے میں برا خیال اور غلط گمان بھی ایک طرح سے جھوٹ بلکہ بڑا جھوٹ ہے۔ اس کے برعکس اہل ایمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ حسن ظن سے کام لیتے ہیں۔ حسن ظن سے آپس میں ہم آہنگی، صلح و اتفاق و اتحاد کی فضاء پیدا ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے

ترجمہ: حسن ظن بہترین عبادت ہے۔ (سنن ابو داؤد، باب فی حسن الظن: 4995)

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حدیث نمبر ۹

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي (سنن ابن ماجہ: 2313)(بحار الانوار، ج 101، ص: 275)

ترجمہ: رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ کی لعنت ہے۔

رشوت کے لغوی معنی ناجائز نذرانہ یا ظلم سے لی جانے والی رقم کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں رشوت دراصل اس مال کو کہتے ہیں جسے ضرورت مند شخص اس شرط پر حاکم کو دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ دے یا کسی ایسے شخص کو اس شرط پر دے جو حاکم سے اس کا کام کرا دے گا۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں، جو کسی کے حق کو باطل کرنے کے لیے یا کسی باطل کو حاصل کرنے کے لیے دیا جائے۔ رشوت ایک طرح کی بدعنوانی ہے کہ ایک قابل اور لائق انسان رشوت نہ دینے کی بناء پر ناکام اور دوسرا جو نااہل ہے وہ رشوت دے کر کامیاب ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:188)

ترجمہ: اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

رشوت باطل طریقے سے مال کھانے کی صورتوں میں انتہائی بدترین صورت ہے، کیوں کہ اس میں دوسرے شخص کو مال دے کر اسے حق سے منحرف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جس معاشرے میں رشوت کا چلن عام ہو جائے وہاں کمزوروں پر ظلم ہوتا ہے، ان کے حقوق سلب اور ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ حق کے حاصل کرنے میں بہت تاخیر ہو جاتی ہے۔ رشوت لینے والے قاضی اور سرکاری ملازمین کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں، وہ قانون اور حق کے بجائے خواہشِ نفس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔

رشوت لینا دینا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے کی بھی ممانعت فرمائی ہے اور رشوت دینے کی بھی۔ رشوت لینا تو بذات خود حرام ہے، کسی صورت میں جائز نہیں جبکہ رشوت دینا رشوت لینے والے کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث ہے اور اس کا مقصود حرام کی تحصیل یا دوسرے شخص کو اس کے جائز حق سے محروم کرنا ہے، اس لیے اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پورے معاشرے اور سماج کو اس لعنت اور تمام برائیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حدیث نمبر ۱۰

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ (صحیح مسلم: 817)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو سرفراز فرمائے گا اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلیل کر دے گا۔

تشریح:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری اور مقدس کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں شب قدر میں نازل فرمایا اور اس کے احکامات و تعلیمات پر عمل کرنا تمام بنی نوع انسان کے لیے لازم و ضروری قرار دیا ہے، اور اپنے حبیب کے ذریعے اس بات کا وعدہ فرمایا کہ

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" (صحیح بخاری: 5027)

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن سیکھیں اور دوسروں کو سکھائیں۔

آپ ﷺ نے اس کی عظمت و فضیلت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہی وہ مقدس کلام ہے جس کی تلاوت اور اس کے فرامین پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تبارک و تعالیٰ قوموں (لوگوں) کو دنیا و آخرت میں سرخروی اور کامیابی و کامرانی نصیب فرماتا ہے اور اس کے احکامات کو بالائے طاق رکھنے اور نفسانی خواہشات کی اتباع کی وجہ سے انھیں تنزل و بزدلی اور ضلالت و گمراہی کے عمیق غار میں دھکیل کر تہس نہس کر دیتا ہے۔

یہ ایک ایسی الہامی کتاب ہے جس کا ایک ایک حرف پڑھنے سے دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور اس کے پڑھنے اور سمجھنے سے ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے، ذہن و دماغ کو سرور و لذت ملتی ہے، دلوں کے زنگ پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسا مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔ نیز یہی قرآن کل قیامت کے دن جب انسان نفسی نفسی کے عالم میں ہو گا تو اس کے لیے سفارشی بن کر آئے گا اور اپنے پروردگار سے بندے کے حق میں سفارش کرے گا۔

اُمّت مُسلمہ کی فلاح و کامیابی اور عظمت اور شان و شوکت اُسی وقت ہے جب تک وہ اس کتاب ہدایت پر عمل پیرا رہے۔ اس کتابِ ہدایت کے مطابق اپنے انفرادی و اجتماعی معاملات طے کرے اور اسے دستورِ حیات بنائے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ وبازدہ شہر میں رسول اللہ ﷺ نے جانے سے منع فرمایا:

الف۔ طاعون سے　　ب۔ ملیریا سے　　ج۔ کرونا وائرس سے　　د۔ سل سے

۲۔ حدیث کے مطابق بہت زیادہ پوچھنا عمل میں آتا ہے:

الف۔ اچھے　　ب۔ بہترین　　ج۔ برے　　د۔ الف اور ب دونوں

۳۔ حدیث کے مطابق رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ تعالیٰ کا/کی:

الف۔ عذاب ہے　　ب۔ لعنت ہے　　ج۔ کرب ہے　　د۔ طرف سے عذاب مقرر ہے

۴۔ حدیث نبوی ﷺ کے مطابق سب سے بڑی جھوٹی بات قرار دیا گیا ہے:

الف۔ تنقید کو　　ب۔ نفرت کو　　ج۔ بدگمانی کو　　د۔ برائی کو

۵۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اطاعت کا حکم دیا:

الف۔ نبی کریم ﷺ کی　　ب۔ فرشتوں کی

ج۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی　　د۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی

۶۔ نبی کریم ﷺ نے مہمانوں کی تکریم ہر اس شخص پر لازم قرار دی ہے جو:

الف۔ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے　　ب۔ عبادت میں مشغول رہتا ہے

ج۔ والدین کے حقوق کو پورا کرتا ہے　　د۔ فرائض کو بہترین طرح سرانجام دیتا ہے

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

۱۔ حدیث نبوی میں وبائی امراض سے بچنے کے لیے کن کن احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

۲۔ شجرکاری کے بارے میں نبوی تعلیمات بیان کریں۔

۳۔ مسلمان کے باہمی حقوق و فرائض بیان کریں۔

۴۔ یتیم اور خواتین کے حقوق کے بارے میں تعلیماتِ نبوی بیان کریں۔

۵۔ رشوت کی حرمت کے بارے میں تعلیمات نبوی کا خلاصہ تحریر کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

۱۔ حدیث نبوی کے مطابق وہ کون سے اعمال ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے؟

۲۔ اطاعتِ رسول کی اہمیت اُجاگر کریں۔

۳۔ پڑوسی اور مہمان سے حسنِ سلوک کے بارے میں تعلیماتِ نبوی ﷺ بیان کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح اور ان سے حاصل ہونے والے اسباق و احکام پر تحقیقی مضمون لکھ کر لائیں۔
- طلبہ اپنا جائزہ لیں کہ وہ دی گئی احادیث مبارکہ کی تعلیمات میں سے کن کن پر عمل کرتے ہیں، فہرست بنائیں۔
- 20 اسمائے حسنیٰ مع معانی۔ **اَلتَّوَّابُ**: توبہ قبول کرنے والا، **اَلْمُنْتَقِمُ**: بدلہ لینے والا، **اَلْعَفُوُّ**: بہت معاف کرنے والا، **اَلرَّءُوْفُ**: نہایت مہربان، **مَالِكُ الْمُلْكِ**: سارے جہاں کا مالک، **ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ**: عظمت و جلال اور انعام و اکرام والا ہے، **اَلْمُقْسِطُ**: عدل و انصاف کرنے والا، **اَلْجَامِعُ**: (قیامت کے دن) سب کو جمع کرنے والا ہے، **اَلْغَنِيُّ**: بڑا بے نیاز، **اَلْمُغْنِيُّ**: (اور بندوں کو) بے نیاز کرنے والا ہے، **اَلْمَانِعُ**: (ہلاکت کے اسباب کو) روکنے والا، **اَلضَّآرُّ**: نقصان پہنچانے والا، **اَلنَّافِعُ**: نفع کا مالک، نفع عطا فرمانے والا، **اَلنُّوْرُ**: نہایت روشن اور سارے جہان کو روشن کرنے والا، **اَلْهَادِيُ**: ہدایت دینے والا، **اَلْبَدِيْعُ**: بغیر نمونہ کے پیدا کرنے والا، **اَلْبَاقِيُ**: ہمیشہ رہنے والا، **اَلْوَارِثُ**: وارث و مالک، **اَلرَّشِيْدُ**: نیکی اور راستی کرنے والا، **اَلصَّبُوْرُ**: (بردبار، بہت زیادہ مہلت دینے والا) ہے

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو منتخب احادیث میں جو تعلیمات دی گئی ہیں، اس کی عملی اور معاشرتی اہمیت سے آگاہ کریں۔
- طلبہ کو منتخب احادیث میں دی گئی دعاؤں کو زبانی یاد کرنے کی ترغیب دیں۔
- طلبہ کو اسمائے حسنیٰ مع معانی زبانی یاد کروائیں۔

باب دوم

ایمانیات و عبادات

ملائکہ پر ایمان

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- فرشتوں کے تصوّر اور اُن کی تخلیق کے مقصد سے آگاہ ہو سکیں۔
- فرشتوں کی صفات سے آگاہ ہو سکیں۔
- فرشتوں کی ذمہ داریوں سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
- حدیثِ جبریل کے تناظر میں تعلیم و تعلّم کے آداب کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- اس پر ایمان پختہ کر سکیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے احکام کی انجام دہی کے لیے فرشتوں سمیت کسی بھی مخلوق کی محتاج نہیں ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق فرشتوں پر ایمان پختہ کرتے ہوئے اپنی عملی زندگی میں ان کے ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھ سکیں اور اُن کے متعلق بات کرتے ہوئے تعظیمی رویّہ اختیار کر سکیں۔
- حدیث جبریل سے سبق حاصل کرتے ہوئے تعلیم و تعلّم کے آداب کا عملی مظاہرہ کر سکیں۔

ملائکہ عربی زبان کا لفظ ہے جو ''ملک'' کی جمع ہے۔ ملک کے لغوی معنی مالک ہونے کے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی پیدا کی گئی ایک نورانی مخلوق ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ فرشتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی صحیح تعداد کوئی نہیں جانتا۔ ایمانِ مفصل میں ہم جن عقائد پر ایمان لانے کی گواہی دیتے ہیں، ان میں ایمان بالملائکہ یا فرشتوں پر ایمان بھی شامل ہے۔

> **ایمانِ مفصل**
>
> اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ؕ
>
> ترجمہ: میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر

حدیثِ مبارک میں آتا ہے کہ سفرِ معراج کے دوران میں نبی کریم ﷺ جب آسمان پر ''بیت المعمور'' پر پہنچے، جو فرشتوں کا قبلہ ہے، تو دیکھا کہ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو اس میں ایک بار (نماز پڑھ کر) چلا جاتا ہے دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتا، یعنی پھر کبھی اس کی واپسی کی نوبت نہیں آتی۔" (صحیح بخاری: 3207)

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان لانا اسلام میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ فرشتوں پر ایمان لائے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ (البقرۃ: 285)

ترجمہ: رسول (خاتم النبیین ﷺ) اُس (کلام) پر ایمان لائے جو اُن کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اُن کے ربّ کی طرف سے اور سب مومنین بھی سب کے سب ایمان لائے اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں پر

فرشتوں پر ایمان لانا چار اُمور پر مشتمل ہے

- فرشتوں کے وجود پر ایمان لانا۔
- جن فرشتوں کے نام ہمیں معلوم ہیں ان پر مفصل ایمان اور جن فرشتوں کے نام معلوم نہیں ان سب پر اجمالاً ایمان لانا۔
- فرشتوں کی جن صفات کا ہمیں علم ہے ان پر ایمان لانا۔
- فرشتوں کے ان اعمال پر ایمان لانا جو ہمیں معلوم ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انجام دیتے ہیں، مثلاً اللہ عزوجل کی تسبیح کرنا اور دن رات مسلسل بغیر تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے اس کی عبادت کرنا وغیرہ۔

فرشتوں کی تخلیق

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنات کو شعلہ زن آگ سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس شے سے پیدا کیا گیا ہے، جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے تمھیں بیان فرمائی ہے (یعنی خاک سے)۔ (صحیح مسلم: 7495)

فرشتوں کی صفات

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نُوری مخلوق ہیں۔ وہ نہ خدائی میں اُس کے شریک ہیں اور نہ ہی وہ اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکتے ہیں۔ وہ صرف وہی خدمت ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اُن کے سپرد کرتا ہے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ وہ فرائض اور ذمّے داریوں کے ادا کرنے میں نہ سستی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ وہ نہ مذکر ہیں اور نہ مؤنث۔ قرآن مجید نے فرشتوں کی خصوصیت کو یوں بیان کیا ہے:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ

"وہ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا وہ اُنھیں حکم دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جس کا اُنھیں حکم دیا جاتا ہے"۔ (سورۃ التحریم، آیت: 6)

فرشتوں کے افعال

اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کی فطرت میں مکمل اطاعت کا پہلو رکھا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کائنات کے مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے کوئی بھی کام سرانجام نہیں دیتے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل: 50)

ترجمہ: وہ اپنے ربّ (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں جو اُن پر بالادست ہے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا اُنھیں حکم دیا جاتا ہے۔

فرشتوں کے ذمے کئی کام ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

- وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر انسانوں اور دوسری مخلوق کے پاس جاتے ہیں۔
- وہ خوشخبری لے کر آتے ہیں اور عذاب بھی۔
- کچھ فرشتے "انسان کی حفاظت" کے لیے ساتھ رہتے ہیں۔

- کچھ فرشتے ذکر اور علم کی محفلوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔
- کچھ فرشتے نیک لوگوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔
- کچھ فرشتے جنت اور دوزخ کے انتظام پر مقرر ہیں۔
- کچھ فرشتے عرش کے آس پاس اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔
- کچھ فرشتے ہر وقت عبادت اور تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔
- ستر ہزار فرشتے روضۂ رسول ﷺ پر صبح و شام حاضر ہو کر درود شریف کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا: میں نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل و صورت میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے اور انھوں نے افق کو بھر رکھا تھا۔ یعنی پوری فضا پر چھائے ہوئے تھے (صحیح مسلم: 433)۔ کبھی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی شکل و صورت میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے متعلق معروف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا تو وہ ان کے پاس ایک عام انسان کی شکل میں آئے تھے۔

مشہور فرشتے اور ان کی ذمہ داریاں

قرآن و حدیث میں جن فرشتوں کا تذکرہ ملتا ہے، ان کے نام اور ذمہ داریاں مختصراً یہ ہیں:

حضرت جبریل علیہ السلام

یہ تمام فرشتوں کے سردار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچانے کے کام پر مامور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ساتھ انھیں اپنے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا ہے۔

حضرت میکائیل علیہ السلام

ان کے ذمے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش برسانے اور مخلوق کو روزی پہنچانے کا کام ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام

آپ علیہ السلام موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام

آپ علیہ السلام قیامت سے پہلے مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت صور پھونکنے پر مامور ہیں۔

کراماً کاتبین

ہر شخص کے اعمال کی حفاظت اور انھیں لکھنے کے لیے دو فرشتے مقرر ہیں جن میں سے ایک انسان کے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب رہتا ہے۔

منکر نکیر

جب انسان کو موت کے بعد قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کریم ﷺ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

رضوان

یہ جنت کے داروغہ کے طور پر مامور ہیں۔

مالک

یہ جہنم کے داروغہ کے طور پر مامور ہیں۔

ایمان بالملائکہ کے فوائد:

بندہ مومن کی زندگی میں فرشتوں پر ایمان لانے کے بڑے فوائد مرتب ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- فرشتوں پر ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عظمت میں اضافہ ہوتا ہے اور اُس کا ایمان اس بات پر پختہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ کوئی بھی انسان جب یہ ایمان رکھتا ہے کہ فرشتے اس کے سارے اعمال کو لکھتے ہیں تو یہ بات اس آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ کے ڈر کا سبب بنتی ہے۔ چناں چہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔
- بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں صبر سے کام لیتا ہے اور اسے سکون واطمینان کا احساس ہوتا ہے۔ جب وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اس بڑی کائنات میں اس کے ساتھ بے شمار فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری احسن طریقے سے انجام دیتے ہیں۔
- انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی بدولت اس کا شکر بجالانے کا درس ملتا ہے۔

حدیثِ جبریل علیہ السلام

حدیث جبریل علیہ السلام ایک مشہور حدیث ہے جس کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم جیسی مستند کتبِ احادیث میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ وہ ایک ایسے شخص کی شکل میں آئے تھے جس کے کپڑے انتہائی سفید اور سر کے بال غیر معمولی طور پر سیاہ تھے اور اُس پر سفر کے آثار بھی نہیں تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی پہچانتا نہیں تھا۔ وہ اپنے گھٹنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھ لیے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے سوال کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ! مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ اِسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان میں روزے رکھو اور اللہ کے گھر کا حج کرو جب بھی تمھیں اُس کی استطاعت میسر ہو۔

پھر دوبارہ پوچھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ! مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے کہ ایمان کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اُس کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اُس کی کتب پر ایمان لاؤ، اور اُس نے جو رسول بھیجے اُن پر ایمان لاؤ، یوم آخرت پر ایمان لاؤ، اور خیر و شر پر، قضاو قدر یعنی تقدیر پر ایمان لاؤ جو اللہ کی طرف سے تقدیر بر حق ہے اُس پر ایمان لاؤ۔

انھوں نے پھر سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے احسان کے بارے میں بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، جب تم اُسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ یقین پختہ کرلو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ ان کے جانے کے بعد پھر نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ترجمہ: "یہ جبرائیل تھے جو تمھیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔" (صحیح مسلم: 9،10)

اس حدیثِ مبارکہ میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک معاشرے کو قائم رہنے کے لیے کن بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے۔ انسان کو اچھے کردار اور اچھے اخلاق کا مالک ہونا چاہیے۔ اُس کی عقل و فکر پختہ و مثبت ہونی چاہیے۔ اُسے معاشرے میں سکون اور اطمینان میسر ہونا چاہیے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ انسان کو اسلام کے بنیادی عقائد پر مکمل عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے۔ گویا کہ اسلام کا تعلق انسان کے جسم سے، ایمان کا تعلق انسان کی عقل سے اور احسان کا تعلق انسان کی رُوح سے ہے۔ یعنی وجود کی اِصلاح پہلے اور پھر عقل کی اور تیسرے مرحلے میں اپنی رُوح کو بیدار کرنا آتا ہے تاکہ آدمی ایک مکمل انسان بن سکے جو معاشرے میں اپنا مثبت اور تخلیقی کردار ادا کر سکے۔

تعلیم و تعلّم کے آداب:

حدیثِ جبریل علیہ السلام کی روشنی میں تعلیم و تعلّم کے درج ذیل آداب واضح ہوتے ہیں:۔

- جس طرح نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کے لیے علم کی مجالس منعقد فرماتے تھے بالکل اسی طرح علماء اور اساتذہ کرام کو بھی چاہیے کہ تعلیم و تربیت کی باقاعدہ محافل کا انعقاد کریں۔
- علم کی محفل میں پاکی و پاکیزگی کے ساتھ صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے۔
- طالب علم کو چاہیے کہ وہ استاد کے سامنے ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھے تاکہ تعلیمات کا اثر زیادہ ہو۔
- تعلیم کی محفل میں سوال و جواب کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے کیونکہ سوال کو علم کی کنجی کہا جاتا ہے۔
- حصولِ علم کے لیے ایسے علماء و فقہاء کے پاس جانا چاہیے جو اپنے علم و فن کے ماہر ہوں۔
- تعلیم و تعلّم کا اصل فائدہ یہ ہے کہ علم حاصل کر کے اس پر عمل بھی کیا جائے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا کیا:

الف۔ آگ سے ب۔ نور سے ج۔ مٹی سے د۔ ہوا سے

۲۔ فرشتے پابند ہیں:

الف۔ اپنی مرضی کے ب۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ج۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے حکم کے د۔ اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم کے حکم کے

۳۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے پر ہیں:

الف۔ تین سو ب۔ چار سو ج۔ پانچ سو د۔ چھے سو

۴۔ فرشتوں بالخصوص کراماً کاتبین پر پختہ ایمان رکھنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان:

الف۔ ہر وقت برے اعمال سے خوفزدہ رہتا ہے　　ب۔ دن کی روشنی میں گناہ کرنے سے بچ جاتا ہے

ج۔ ساری رات جاگ کر عبادت کرتا ہے　　د۔ دوسروں کو بُرے کاموں سے روکتا ہے

۵۔ قیامت سے پہلے مخلوق کو دوبارہ زندہ کیے جانے کے وقت صور پھونکنے پر مامور ہیں:

الف۔ حضرت جبریل علیہ السلام　　ب۔ حضرت میکائیل علیہ السلام　　ج۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام　　د۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام

۶۔ حدیث جبریل علیہ السلام کا سب سے اہم موضوع ہے:

الف۔ ارکانِ اسلام اور ایمان　　ب۔ صفائی اور پاکیزگی　　ج۔ احسان کا بدلہ احسان　　د۔ تعلیم کی اہمیت

۷۔ تعلیم و تعلّم کے سلسلے میں حدیث جبریل علیہ السلام سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

الف۔ علماء و اساتذہ کی محفل میں باادب حاضری دینی چاہیے۔　　ب۔ اپنے بڑوں سے زیادہ سوالات نہیں پوچھنے چاہییں۔

ج۔ گذشتہ اسباق کا گھر میں اعادہ کرنا چاہیے۔　　د۔ علماء و اساتذہ کو اپنے گھر بلا کر تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ ایمانِ مفصل میں ہم کن عقائد کی گواہی دیتے ہیں؟

۲۔ لفظ ملائکہ کے معنی و مفہوم بیان کریں۔

۳۔ فرشتوں کی تعداد کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

۴۔ منکر نکیر کا کیا کام ہے؟

۵۔ فرشتوں پر ایمان لانے سے زندگی پر کون سے چار فوائد مرتب ہوتے ہیں؟

۶۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی صورت کے متعلق حدیثِ مبارکہ تحریر کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ فرشتوں پر ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟ نیز فرشتوں کی تعظیم کیوں ضروری ہے؟

۲۔ فرشتوں کی تخلیق، صفات اور ذمہ داریوں پر نوٹ لکھیں۔

۳۔ حدیثِ جبریل علیہ السلام سے کیا مراد ہے؟ نیز حدیثِ جبرئیل علیہ السلام سے تعلیم و تربیت کے حوالے سے کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟ وضاحت کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ چند آیاتِ قرآنی کی فہرست (سورۃ کا نام اور آیت نمبر) بنائیں جن میں فرشتوں کا ذکر ہو۔
- قرآن و سنت میں مذکور چند فرشتوں کے نام اور ان کی ذمہ داریوں پر مشتمل فہرست بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنے احکام کی انجام دہی کے لیے فرشتوں سمیت کسی بھی مخلوق کی محتاج نہیں ہے۔
- طلبہ کو اس بات کا درس دیا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں، ان پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔
- طلبہ کو سمجھایا جائے کہ کس طرح حدیث جبریل علیہ السلام سے سبق حاصل کرتے ہوئے تعلیم و تعلّم کے آداب سیکھے جا سکتے ہیں اور ان آداب کا عملی مظاہرہ کروانے کے لیے اسکول/کلاس میں مشق کروائی جائے۔

کتبِ سماویہ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- انسانوں کی ہدایت کے لیے آسمانی کتب کے نازل ہونے کی اہمیت اور ان کا مقصد جان سکیں۔
- صاحب کتب اور صاحب صحفِ انبیائے کرام علیہم السلام کا تعارف جان سکیں۔
- آسمانی کتب کی مختصر تاریخ جان سکیں۔
- آسمانی کتب کی مشترکہ تعلیمات جان سکیں۔
- مشرکین اور اہل کتاب میں فرق جان کر اہل کتاب کے بارے میں مختصر احکام سے آگاہ ہو سکیں۔

صلاحیت

- آسمانی کتب پر ایمان پختہ کرتے ہوئے ان کے ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھ سکیں۔
- آسمانی کتب کی مشترکہ تعلیمات کو جان کر اعمال خیر میں عالمی اشتراک اور تعاون کی روح پیدا کر سکیں۔
- اہل کتاب کے بارے میں شرعی ہدایات کو ملحوظ رکھ سکیں۔
- قرآن مجید کو آخری وابدی اور ہر قسم کی تحریف سے پاک آسمانی کتاب مانتے ہوئے اس پر عمل کرنے والے بن سکیں۔

ضرورت واہمیت

انسان کے دنیا میں وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس کی بنیادی روحانی وجسمانی ضروریات کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے الہامی تعلیمات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ تعلیمات انسان کی ذہنی استطاعت اور سمجھ بوجھ کے مطابق تھیں۔ جیسے جیسے انسان کی ذہنی نشوونما کی ترقی ہوئی ویسے ہی اس کی فکری صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی رہیں اور اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ کی انسانوں کے لیے تعلیمات کا سلسلہ جاری رہا۔ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے شناسائی اور حقیقت تک رسائی کے لیے برگزیدہ ہستیاں دنیا میں جلوہ افروز ہوتی رہی ہیں۔ جن کے ذریعے انسان کی رہنمائی کے لیے الہامی تعلیمات انسان تک پہنچتی رہی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیا وآخرت میں کامیابی کے لیے وقتاً فوقتاً صحائف وکتب میں مذکور تعلیمات نازل فرمائیں جو انسانی فکر کو نکھارنے میں مرکزی اہمیت رکھتی ہیں۔

آسمانی کتب کی تاریخ

> **صحیفہ کے معنی**
>
> قرآن مجید، حدیث نبوی ﷺ اور عربی ادب میں یہ لفظ کئی اور معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً نامہ اعمال، خط یا مکتوب، حکم نامہ یا فرمان۔

اللہ تعالیٰ کی انسان کی طرف بھیجی جانے والی تعلیمات کا آغاز صحائف سے ہوتا ہے۔ صحیفہ وہ چیز ہے جس پر لکھا جا سکے۔ اسی مناسبت سے ورق کی ایک جانب کو بھی صفحہ کہتے ہیں۔ صحف سماویہ کی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفوں کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ان کی تعلیمات زیادہ تر زبانی تھیں۔ بنی اسرائیل میں یہ تعلیمات زیادہ روشن رہیں کیوں کہ ان کی طرف برابر انبیاء کرام علیہم السلام آتے رہے۔ بعد میں جب تورات مرتب ہوئی تو اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ اور ان کی تعلیمات بھی جمع کر دی گئیں۔

ان صحائف اور کتب کے متعلق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت منقول ہے جس میں تمام صحائف کا ذکر ملتا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک سو چار کتابیں اللہ نے نازل کی ہیں، پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے، تیس صحیفے اخنوخ، یعنی حضرت ادریس علیہ السلام پر اترے، دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اتارے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کے نزول سے قبل دس صحیفے اتارے گئے اور چار کتابیں تورات، زبور، انجیل اور فرقان (قرآن مجید) نازل ہو گئیں۔'' (صحیح ابن حبان: 361)

گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صحائف معدوم ہو چکے ہیں اگر کسی صحیفے کی تفصیلات موجود بھی ہیں تو وہ صرف صحفِ ابراہیمی ہے۔ صحفِ ابراہیمی سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت کو سنائے، پھر شام میں ان کے چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام نے اور عرب میں ان کے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو سنائے، پھر یہ صحائف حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد میں مسلسل ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتے رہے۔ صحف ابراہیمی میں توحید اور عبرت کی باتیں تھیں۔

> اسفارِ خمسہ کا معنٰی ہے: پانچ صحیفے اس سے مراد وہ پانچ کتب ہیں جن پر تورات مشتمل ہے

آسمانی کتابوں پر ایمان

آسمانی کتابوں پر ایمان، بنیادی عقائد اور ایمان کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک درست نہ ہو گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسولوں پر نازل کی جانے والی کتابوں پر ایمان نہ لے آئے۔ کتابوں پر ایمان لانے میں درج ذیل چند امور شامل ہیں:

- اس بات کی تصدیق اور اقرار کرنا کہ یہ تمام کتب اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح حق اور روشن ہدایت کے ساتھ اپنے رسولوں پر نازل کی گئی ہیں۔
- یہ اللہ ہی کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے چاہا اور جس طرح ارادہ کیا ان کے ذریعے حقیقتاً کلام کیا۔
- یہ برحق اور سچی کتابیں ہیں اور اِن میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت اور روشنی ہے جن کی طرف یہ نازل کی گئی ہیں۔

> **فضیلتِ قرآن مجید**
> قرآن مجید کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
> وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ (المائدہ: 48)
> ترجمہ: اور (اے رسول ﷺ) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی محافظ و نگران ہے۔

آسمانی کتابیں اور صاحبِ کتب انبیاء علیہم السلام

تورات

سب سے پہلی باقاعدہ آسمانی کتاب تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس بارے میں یہود کا نظریہ ہے کہ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو قسم کے قوانین سے نوازا۔ ایک وہ وحی تھی جو پتھر پر لکھ کر عطا ہوئی، جسے وحی مکتوبی کہتے ہیں۔ بعد میں ان تختیوں کو حرف بحرف تورات میں نقل کر دیا گیا۔ دوسری وحی وہ تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الہام کی گئی جسے وحی لسانی کا نام دیا گیا۔ یہ قوانین، مکتوبی قوانین کی خصوصی وضاحت کے لیے تھے۔ تورات کو پانچ کتب کا مجموعہ کہا جاتا ہے، اس کے لیے ''اسفار خمسہ'' کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ تورات الہامی کتب میں تاریخی اعتبار سے نازل ہونے والی اول کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ جس وقت تورات نازل کی گئی اس وقت مصر میں جادو اور سحر کے علم کا بہت چرچا تھا۔ اس لیے تورات کے نزول کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات سے نوازا گیا۔ یوں انسانی فکر کا یہ لمحہ

معجزات کا متقاضی رہا اسی نسبت سے اس عہد میں معجزات موسیٰ علیہ السلام کثیر تعداد میں ملتے ہیں جنھیں تورات میں محفوظ کیا گیا اور بنی اسرائیل کے لیے راہ ہدایت بنایا گیا۔

زبور

زبور کے لغوی معنی "کتاب" کے ہیں، لیکن عرف میں زبور کا لفظ اس آسمانی کتاب کے لیے مخصوص ہو چکا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ زبور دراصل بائبل کے مرکزی خیال سے ہم آہنگ ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری، اللہ پر ایمان، امید، گناہ پر پشیمانی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری جیسے تصورات شامل ہیں۔ زبور اللہ تعالیٰ کی حمد کے نغموں سے معمور تھی اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا لہجہ اور پر اثر لحن عطا فرمایا تھا کہ جب آپ علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تو جنوں اور انسانوں کے ساتھ ساتھ جانور اور پرندے تک وجد میں آ جاتے۔

انجیل مقدس

انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی سلسلہ بنی اسرائیل کی آخری الہامی کتاب ہے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی آمد کی خوش خبری بھی سنادی۔ انجیل جہاں اصطلاح میں کلام الٰہی ہے وہیں اس لفظ کے اپنے معنی اس میں شامل مضامین ومقصود کو بھی واضح کرتے ہیں۔ لفظ "انجیل" کا مطلب ہے خوش خبری۔

انجیل میں بیان کردہ تعلیمات کا انداز بنی اسرائیل کی ذہنی سطح کے مطابق ہے جس میں نثری انداز بیان اور مکالمہ شامل ہے۔ مکالمے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نہ صرف کلام کا انداز سکھاتے ہیں بلکہ اس مین موجود تعلیمات کی طرف انسان کو راغب کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بنی اسرائیل کے آخری عہد میں اسی انداز کے ذریعے احکامات سمجھائے گئے۔

قرآن مجید

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر نازل ہونے والی اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید ہے۔ جس طرح انبیاء کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر ختم ہو گیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب بھی آخری آسمانی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام اور اپنا دین اس کی صورت میں مکمل کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ؕ (المائدہ:3)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام بطورِ دین پسند کر لیا۔

قرآن مجید ایک جامع کتاب ہے۔ یہ ہر قسم کی تحریف سے پاک ہے اور ایک ایسا ابدی معجزہ ہے جو قیامت تک رہے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ہر امر کو بیان کیا ہے۔ کوئی بھی معاملہ ایسا نہیں کہ جس کا علم قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔ دین کے مسائل سے لے کر دنیا کے معاملات اور سائنس کا علم بھی ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔ اس میں ہمارے لیے کامیابی کا ہر راز موجود ہے۔ دنیا وآخرت میں سرخروئی قرآنی تعلیمات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس کی تعلیمات کو سیکھنا اور عمل کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بعد کوئی آسمانی ہدایت نازل نہیں ہوگی چناں چہ دنیا وآخرت کی کامیابی اسی کو سیکھنے اور عمل کرنے میں ہے۔

آسمانی کتابوں کی مشترکہ تعلیمات:

ہم سب پر لازم ہے کہ ہم اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ تمام آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادات پر زور دیا گیا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے طریقے بتائے گئے ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی کے لیے راہنما اصول بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

اہلِ کتاب کے ساتھ تعلقات

آسمانی کتب کو ماننے والے اسلام کے نزدیک اہل کتاب سے مراد مسیحی اور یہودی ہیں جن کے پاس آسمانی صحیفے آئے اور بعد میں منسوخ ہو گئے۔ مسلمانوں کو اہل کتاب کے ساتھ (حلال کی پابندی کے ساتھ) کھانے کی اجازت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے۔ اسلام ہمیں اہل کتاب کے لیے نازل کردہ کتب اور ان میں دی گئی ابدی تعلیمات کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ اہلِ کتاب کے ساتھ حسنِ سلوک اور رواداری والا رویہ اختیار کرنے کی مثالیں عہدِ نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موجود ہیں۔ وہ غیر مسلم جو اسلام کی مخالفت نہ کریں ان کے ساتھ باہمی ہمدردی اور انسانی حقوق کی پاسداری کرنی چاہیے۔

حاصلِ کلام

ہمیں چاہیے کہ ہم تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کو برحق جانیں اور دل و جان سے ان کا احترام بجالائیں۔ ہمیں اس بات پر بھی پختہ ایمان رکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سابقہ تمام کتب کی تعلیمات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے اور ان کی مشترکہ آفاقی تعلیمات کو تسلیم کرنے سے دنیا میں امن اور خیر خواہی کا بول بالا ہو گا۔ جس سے اسلام کی ابدی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچانے کے بہتر مواقع میسر ہوں گے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ نبی کریم ﷺ کی آمد کی خوشخبری کونسی کتاب میں موجود تھی؟

الف۔ تورات مقدس　ب۔ زبور مقدس　ج۔ انجیل مقدس　د۔ قرآن مجید

۲۔ صحف سماویہ کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

الف۔ حضرت آدم علیہ السلام سے　ب۔ حضرت ادریس علیہ السلام سے　ج۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے　د۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

۳۔ کتب سماویہ کی مشترکہ تعلیمات میں شامل ہے۔

الف۔ توحید اور عبادتِ الٰہی　ب۔ ارکانِ اسلام پر ایمان　ج۔ ختم نبوت پر ایمان　د۔ رمضان میں تراویح اور اعتکاف

۴۔ بنی اسرائیل کی آخری الہامی کتاب ہے۔

الف۔ تورات　ب۔ زبور　ج۔ انجیل　د۔ قرآن مجید

۵۔ تورات کو "اسفارِ خمسہ" کہے جانے کی وجہ ہے۔

الف۔ پانچ کتابوں کا مجموعہ ہونا　ب۔ پہلی باقاعدہ کتاب ہونا　ج۔ وحی مکتوبی ہونا　د۔ معجزات کا ذکر ہونا

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ صحائف اور آسمانی کتب کی تعداد سے متعلق حدیثِ نبوی ﷺ تحریر کریں۔

۲۔ وحی مکتوبی اور وحی لسانی سے کیا مراد ہے؟

۳۔ اہلِ کتاب سے کون لوگ مراد ہیں؟

۴۔ زبور میں کن باتوں کی تعلیم دی گئی ہے؟

۵۔ انجیلِ مقدس کا اندازِ تخاطب کیسا ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ کتبِ سماویہ کی ضرورت و اہمیت پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ آسمانی کتابوں پر ایمان سے کیا مراد ہے؟ نیز آسمانی کتب کا ادب و احترام ہم پر کیوں واجب ہے؟ وضاحت کریں۔

۳۔ مشہور آسمانی کتابوں پر ایک تفصیلی نوٹ لکھیں اور ان میں موجود مشترکہ تعلیمات پر روشنی ڈالیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ چند آیاتِ قرآنی کی فہرست (سورۃ کا نام اور آیت نمبر) بنائیں جن میں آسمانی کتب کی مشترکہ تعلیمات کا ذکر ہو۔
- کلاس یا اسکول میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے تعاون اور حسنِ سلوک کا عملی مظاہرہ کرنے کے مختلف طریقوں کی فہرست بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- قرآن و سنت میں مذکور سابقہ امتوں کے متعلق بیان کردہ چند واقعات سنائے جائیں۔
- طلبہ کو دیگر آسمانی کتب کی تعظیم کی تربیت دی جائے اور ساتھ یہ بھی بتایا جائے کہ ہدایت کا اصل سرچشمہ ہمارے لیے قرآن مجید ہی ہے۔

ب۔ عقیدۂ آخرت

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم	صلاحیت
• عقیدۂ آخرت اور اس کے نقلی و عقلی دلائل جان سکیں۔ • برزخ، حشر نشر، مقام محمود، حوضِ کوثر، میزان، شفاعت، جنت اور جہنم کے بارے میں جان سکیں۔ • جنت اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کا جائزہ لے سکیں۔	• عقیدہ آخرت پر ایمان پختہ کر کے جنت کا شوق اور جہنم کا خوف قلوب میں پیدا کر سکیں۔ • آخرت کی تیاری کر کے حقیقی کامیابی پانے والے بن سکیں۔

فرمانِ الٰہی

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ

(البقرۃ:281)

ترجمہ:۔اور اُس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

عقیدۂ آخرت کا معنی و مفہوم

آخرت کے معنی ہیں ''بعد میں آنے والی چیز''۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کے معنی ہیں ''قریب والی چیز''۔ جو ہماری موجودہ زندگی ہے، یہ قریب ہے کیونکہ اس وقت ہم اس سے گزر رہے ہیں اس کو دُنیا کہتے ہیں اور جو اس زندگی کے بعد زندگی ہے اس کو آخرت کہتے ہیں۔ عقیدہ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل اہم عقیدہ ہے جس پر ہر مسلمان کو ایمان اور پختہ یقین رکھنا ضروری ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ترجمہ: بندہ جب تک چار باتوں پر ایمان نہ لائے مومن نہیں ہو سکتا۔ وہ اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بے شک میں محمد (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مجھے اس نے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، وہ موت پر اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے اور تقدیر پر ایمان لائے۔ (جامع ترمذی:2145)

دنیا و آخرت کی زندگیوں میں واضح فرق یہ ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ اور ختم ہونے والی ہے۔ دنیا عمل کرنے کی جگہ ہے اور موت کے بعد انسان آخرت کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ آخرت کی زندگی ہمیشہ والی ہے۔ عقیدۂ آخرت کی اسلام میں بے حد اہمیت ہے۔ توحید و رسالت کے بعد اسلام میں جس چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ عقیدۂ آخرت ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ عقیدۂ آخرت پر یقین رکھے بغیر انسان کے باقی عقائد و نظریات میں پختگی پیدا نہیں ہو سکتی اور اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ عقیدۂ آخرت سے مراد اس بات کا یقین رکھنا کہ یہ کائنات وقت مقررہ پر ایک دن فنا ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سب کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر انسان کا نامۂ اعمال پیش کیا جائے گا۔ پھر ترازو قائم کیا جائے گا اور سب انسانوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا، اُسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس شخص کی برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گا، اُسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ حساب و کتاب کے اس دن کو یومِ حشر یا یومِ قیامت کہتے ہیں۔ نیک لوگوں کے لیے جنت انتہائی آرام دہ اور پُر سکون ٹھکانا ہو گا۔

جبکہ کافروں اور گناہ گاروں کا ٹھکانا جہنم ہو گا جو انتہائی تکلیف دہ اور اذیّت ناک جگہ ہے۔ایمان والے اپنی سزا پوری کر کے بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں داخل ہوں گے۔

عقیدۂ آخرت کے دلائل

- جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، وہ عقیدۂ آخرت پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی اس عقیدے کی تعلیم ہم تک پہنچائی کہ اس پر ایمان رکھا جائے۔
- اس بات کو کیسے مانا جاسکتا ہے کہ اچھے اور برے کام کا ایک ہی نتیجہ ہو؟ چناں چہ انسان اس فیصلے پر ضرور پہنچتا ہے کہ کوئی ایسا دن ہونا چاہیے جس میں ہر انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور اچھے افراد کو ان کے نیک اعمال کی جزا اور برے لوگوں کو ان کے برے اعمال کی سزا دی جاسکے۔
- عقیدۂ آخرت انسان کے رہن سہن اور طرزِ عمل کو سنجیدہ بناتا ہے۔ وہ اچھائی اور برائی کے معاملے میں حقیقی فرق کو سمجھ سکتا ہے۔اور وہ دنیا پرستی چھوڑ کر اسلام کی راہ پر چل کر کامیاب ہو سکتا ہے۔
- عقیدۂ آخرت انسان میں حساب و جوابدہی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ القارعہ اور سورۃ الزلزال میں یہ بات بیان کی گئی ہے تاکہ انسان کوئی بھی عمل کرنے سے پہلے سوچے کہ ایک دن یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور سب انسانوں کو اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔

> نبی کریم (ﷺ) نے فرمایا:
> اللہ تعالیٰ سے جنت الفردوس کی طلب کرو۔ کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ جنت ہے اور سب سے بہترین حصہ ہے اور عرشِ الٰہی اس کی چھت ہے۔(جامع ترمذی، حدیث:2530)

- آخرت کی زندگی محض ایک تصور اور خیال نہیں ہے، بلکہ اِسے ماننے سے انسان کی عملی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، انسان اس بات سے آگاہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر حرکت اور ہر عمل کو دیکھا جارہا ہے اور ان اعمال کی جزا اور سزا یقینی طور پر مقرّر ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾

ترجمہ: تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہو گی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔ (الزلزال:7-8)

برزخ

لغوی اعتبار سے برزخ دو چیزوں کے درمیان روک یا آڑ کو کہتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اس سے مراد موت کے بعد سے قیامت تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ مرنے کے بعد تمام جن وانس حسبِ مراتب برزخ میں رہیں گے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾ (المؤمنون:15،16)

ترجمہ: پھر یقیناً تم اس کے بعد مرنے والے ہو۔ پھر بے شک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

قیامت

قرآن مجید میں ہے کہ دنیا کی زندگی تو بس ایک کھیل تماشا ہے، جو ہمیشہ نہیں رہے گا۔ ایک وقت ایسا آئے گا، جب فرشتہ اسرافیل ﷤ صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دنیا کی ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ دریا، ندی، نالے اور سمندر خشک ہو جائیں گے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ یہ قیامت کا دن ہو گا۔

اس دنیا کے فنا ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوبارہ حضرت اسرافیل ﷤ صور پھونکیں گے۔ جس کے نتیجے میں سارے انسان دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور ایک صاف اور چٹیل میدان میں جمع ہوں گے، جہاں انھیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔ اس دوسرے جہاں کو آخرت کہا جاتا ہے اور اسے قیامت کا دن بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں بیان ہوا ہے کہ "آپ ﷺ فرما دیجیے کہ اللہ ہی تمھیں زندگی عطا فرماتا ہے پھر وہی تمھیں موت دے گا پھر وہی تمھیں قیامت کے دن جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

(الجاثیة:26)

نامۂ اعمال

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے مقرر کیے ہیں، یہ فرشتے "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں۔ کراماً کاتبین ہر انسان کے دن رات کے نیک و بد اعمال لکھتے رہتے ہیں اور ان کا باقاعدہ حساب کتاب رکھتے ہیں۔ یہ حساب انسان کا نامۂ اعمال ہے۔ روزِ جزا ہر انسان کو اس کا نامہ اعمال پیش کیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو دائیں ہاتھ میں اور برے لوگوں کو بائیں ہاتھ میں۔ میدانِ حشر میں میزانِ عدل قائم ہو گا۔ میزان کے ایک پلڑے میں انسان کے نیک اعمال اور دوسرے پلڑے میں اُس کے بُرے اعمال ڈالے جائیں گے۔ اگر نیکیوں کا وزن زیادہ ہو گا، اُسے بخش دیا جائے گا اور رحمت کے فرشتے اُسے جنت میں لے جائیں گے۔ اگر برائیوں کا وزن زیادہ ہو گا تو دوزخ کے فرشتے اُسے دوزخ میں لے جائیں گے۔

حوضِ کوثر، شفاعتِ رسول ﷺ اور مقامِ محمود

> **حوضِ کوثر**
>
> اس حوض کی لمبائی ایلہ (اردن اور فلسطین کے درمیان ایک علاقہ) سے صنعاء (یمن) تک ہو گی، اور اس کی چوڑائی ایلہ سے جحفہ (جدہ اور رابغ کے درمیان ایک مقام) تک کے فاصلے کے برابر ہو گی۔ (صحیح بخاری: 6580)

کوثر کے لفظی معنی "بہت زیادہ بھلائی" کے ہیں۔ یہ جنّت کے اس حوض کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب ﷺ کے تصرّف میں دے گا۔ جس کے پاک پانی سے آپ ﷺ کی امّت سیراب ہو گی۔ احادیث میں مذکور ہے کہ نہرِ کوثر اصل میں جنّت میں ہے، جس کی دو نالیوں سے حوض کوثر میں پانی آتا رہے گا۔ حوضِ کوثر قیامت کے میدان میں ہو گا۔ تصور کیا جائے کہ قیامت کی اس گرمی اور نفسا نفسی کے عالم میں حوضِ کوثر کی کیا اہمیت ہو گی۔ نبی اکرم ﷺ اس حوض کے وسط میں تشریف فرما ہوں گے اور اپنی امت کو حوضِ کوثر سے جام بھر بھر کر پلاتے جائیں گے۔ حوضِ کوثر پر نبی اکرم ﷺ کی امّت جنّت میں داخل ہونے سے قبل پانی پیے گی۔ جو اس حوض کا پانی ایک بار پی لے گا، اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ حوض کوثر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا اور اس کی تہ کی مٹّی مشک سے زیادہ خوشبودار ہو گی۔ (صحیح مسلم: 2301)

قیامت کا دن مومنوں کے لیے امید اور خوشخبری کا بھی باعث ہو گا۔ آپ ﷺ قیامت کے دن مقامِ محمود پر فائز ہوں گے، یعنی

آپ ﷺ حق شفاعتِ عظمیٰ استعمال فرمائیں گے۔ روزِ قیامت صرف آپ ﷺ ہی کو شفاعت کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ تمام گناہگار آپ ﷺ کی شفاعت کے منتظر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ گناہگار امتیوں کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول کریں اور اس طرح مسلمان امت کی بخشش ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

(بنی اسرائیل:79)

ترجمہ: اور رات کے کچھ حصّے میں تہجد پڑھا کیجیے جو آپ کے لیے زائد (عبادت) ہے اُمید ہے کہ آپ کا ربّ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔

آخرت میں میزان اور پُل صراط

آخرت کے مناظر جو قرآن مجید و احادیث مبارکہ نے بیان کیے ہیں، اس قدر ہولناک ہیں کہ انسان کی قوت برداشت جواب دے جاتی ہے۔ اُس روز نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ اگر کوئی چیز کام آئے گی تو وہ انسان کے اپنے اعمال ہوں گے۔ جن میں سے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔ اعمال میزان کے ذریعے تولے جائیں گے۔ میزان ترازو کو کہتے ہیں جو اعمال کے وزن کے لیے قیامت میں نصب کی جائے گی۔ وزن ایسی میزان سے کیا جائے گا جس میں دو پلڑے ہوں گے اور اس کا ہر پلڑا اتنی وسعت رکھے گا جیسی مشرق و مغرب کے درمیان وسعت ہے۔ قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن اس میزان میں رکھا جائے گا۔ جن کے اعمال وزنی ہوں گے، وہ کامیاب ہوں گے اور جن کا وزن ہلکا ہوگا وہ خسارے میں رہیں گے۔

قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک پل پر چل کر جنت کی طرف جانا ہوگا، اس پل کو پل صراط کہتے ہیں۔ یہ پل جہنم کے اوپر نصب کیا جائے گا جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ ہر نیک و بد اور مومن و کافر کا اس پر سے گزر ہوگا۔ نیک لوگ اس پل پر سے سلامتی سے گزر جائیں گے جبکہ کافر لوگ اس پل سے گر کر دوزخ میں چلے جائیں گے۔

جنت اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

جو شخص ایمان کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ یقیناً جنت کا حقدار ہوگا۔ لیکن زندگی میں کیے گئے گناہوں اور کوتاہیوں کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، نماز کی پابندی نہ کرنا، رمضان المبارک کے فرض روزے نہ رکھنا، زکوٰۃ نہ دینا، استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا ایسے کبیرہ گناہ ہیں کہ جو اللہ کو سخت ناپسند ہیں۔ ان کی سزا انسان کو جہنم کی صورت میں مل سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، لوگوں کا حق نہ دینا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، گالم گلوچ کرنا، وعدہ خلافی کرنا، لوگوں کو تکلیف پہنچانا، برے القاب سے پکارنا وغیرہ ایسے گناہ ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ ہوگی۔ جو مسلمان ان تمام گناہوں سے بچتا ہے، وہ اللہ کی رحمت سے جنت میں اپنا ٹھکانا پائے گا۔ نماز سمیت تمام فرائض کی ادائی، حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا مکمل خیال رکھنا انسان کو جنت میں لے جاتا ہے۔ جنت ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو ہر طرح کی نعمت، جس کا وہ تصور کر سکتا ہے، میسر ہوگی۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم راہِ راست پر قائم رہیں اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والے اعمال بجالائیں۔ ارکانِ اسلام پر پابندی سے کاربند رہیں۔ عبادتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ بندوں کے حقوق میں بھی سچائی اور ایمان داری والا رویہ اختیار کریں۔ دنیاوی معاملات کو آخرت کے خوف سے درست انداز سے بجالانے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں اپنا ابدی ٹھکانا بنانے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ آخرت کے معنی ہیں:

الف۔ بعد میں آنے والی چیز　ب۔ پہلے آنے والی چیز　ج۔ درمیان میں آنے والی چیز　د۔ ختم ہو جانے والی چیز

۲۔ میزان پر کیا کام ہوگا؟

الف۔ پانی پلایا جائے گا　ب۔ گناہگاروں کو گزارا جائے گا

ج۔ اعمال تولے جائیں گے　د۔ مردوں کو زندہ کیا جائے گا

۳۔ کس عقیدے میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا ذکر ہے؟

الف۔ توحید　ب۔ رسالت　ج۔ فرشتے　د۔ آخرت

۴۔ نبی کریم ﷺ قیامت کے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے اور آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے:

الف۔ صرف بنی اسرائیل کی۔　ب۔ اہل حرمین شریفین کی　ج۔ اپنے پیارے امتیوں کی　د۔ سب انسانوں کی

۵۔ موت کے بعد سے قیامت تک کا درمیانی عرصہ کہلاتا ہے:

الف۔ آخرت　ب۔ برزخ　ج۔ قیامت　د۔ پل صراط

۶۔ قیامت کے دن گناہگار مسلمان امتیوں کی نظریں سب سے زیادہ کس چیز کی طرف ہوں گی؟

الف۔ قیامت کی گرمی۔　ب۔ اللہ تعالیٰ کے انصاف

ج۔ نبی کریم ﷺ کی شفاعت　د۔ دوسری امتوں کی طرف

۷۔ دنیا میں عقیدۂ آخرت پر ایمان پختہ ہونے سے انسان بچ جاتا ہے:

الف۔ حقوق العباد کی ادائی سے　ب۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے

ج۔ برے اعمال سے　د۔ امر بالمعروف سے

سوال نمبر ۲۔ **درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔**

۱۔ عقیدۂ آخرت کا مفہوم واضح کریں۔

۲۔ عقیدۂ آخرت کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت اور اُس کا ترجمہ لکھیں۔

۳۔ عقیدۂ آخرت کی ایک عقلی دلیل پیش کریں۔

۴۔ مقامِ برزخ سے کیا مراد ہے؟

۵۔ قیامت کے دن حوضِ کوثر کی کیا اہمیت ہوگی؟

۶۔ نبی کریم ﷺ کے "مقامِ محمود" پر فائز ہونے سے کیا مراد ہے؟

۷۔ شفاعتِ رسول ﷺ سے کیا مراد ہے اور کون لوگ اس سے فیض یاب ہوں گے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ عقیدۂ آخرت پر قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۲۔ عقیدۂ آخرت میں میزان اور پل صراط پر مکمل ایمان لانے کے تقاضوں کی وضاحت کریں۔

۳۔ عقیدۂ آخرت کے دلائل تفصیلاً بیان کریں۔

۴۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے جنت اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کا تقابلی جائزہ پیش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ چند آیاتِ قرآنی کی فہرست (سورۃ کا نام اور آیت نمبر) بنائیں جن میں عقیدۂ آخرت اور جنت و جہنم کا ذکر ہو۔
- جنت اور جہنم میں لے جانے والے اعمال کی فہرست بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- عقیدۂ آخرت کے عملی زندگی پر اثرات کے متعلق ایک مذاکرہ کرایا جائے۔
- طلبہ کو آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے قرآن و حدیث کے مزید احکام پر روشنی ڈالیں۔

زکوٰۃ اور عُشر

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- زکوٰۃ و عشر میں فرق جان سکیں۔
- زکوٰۃ و عشر کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔
- زکوٰۃ و عشر کے دلائل جان سکیں۔
- زکوٰۃ و عشر کی فرضیت کی حکمت سے آگاہ ہو سکیں۔
- اسلام کے معاشی نظام میں معاشی انصاف کے لیے زکوٰۃ و عشر کے کردار کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- زکوٰۃ و عشر کی اہمیت سے آگاہ ہو کر اپنے قلوب میں سخاوت کا جذبہ پیدا کر سکیں۔
- اسلامی معاشی مساوات سے آگاہ ہو کر معاشی اعتبار سے کمزور طبقے کے مددگار بن سکیں۔

زکوٰۃ:

زکوٰۃ دینِ اسلام کا بنیادی رکن ہے، جس کے لغوی معنی ''پاک ہونا، بڑھنا یا نشوونما پانا'' ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد ہر صاحبِ نصاب مسلمان مرد و عورت کا سال میں ایک مرتبہ اپنے مال سے ایک مخصوص حصہ (اڑھائی فیصد) مستحقین کو دینا ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی عبادت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد غریبوں کی مدد، معاشرتی فلاح و بہبود میں صاحب ثروت لوگوں کا حصہ ملانا اور مستحق لوگوں تک زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچانا ہے۔

عُشر:

عُشر کا لغوی معنی دسواں حصہ ہے۔ اسلامی اصطلاح میں عُشر زمین کی زرعی پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور یہ زمین کے مالک کو کل پیداوار کا دسواں حصہ حق داروں کو ادا کرنا ہوتی ہے۔ جس زمین کو بارش سے سیراب کیا جائے اس پر عُشر یعنی دسواں حصہ ادا کرنا لازم ہے اور جس زمین کو کنویں یا ٹیوب ویل وغیرہ سے سیراب کیا جائے۔ اس پر نصف عُشر یعنی بیسواں حصہ ادا کرنا لازم ہے۔ یعنی جس کھیت کی کاشت میں آبپاشی کے لیے کم مشقت کرنا پڑتی ہو وہاں عشر یعنی دسواں حصہ دینا واجب ہے جبکہ جس زمین کی آبپاشی میں زیادہ محنت کرنا پڑے تو اس پیداوار میں سے نصف عُشر دینا واجب ہے۔

زکوٰۃ و عُشر کا نصاب:

جس مسلمان کے پاس ایک مقررہ مقدار میں مال و دولت سال بھر جمع رہے تو ہر سال اس دولت کا **چالیسواں حصہ** غریبوں، مسکینوں یا نیکی کے دوسرے کاموں پر خرچ کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ کے نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کے برابر ہے۔

ہر اس شخص پر جو زمین کاشت کرتا ہے، عُشر دینا واجب ہے۔ عُشر چونکہ پیداوار کی زکوٰۃ ہے اس لیے مال کی زکوٰۃ کے ساتھ پیداوار کا عُشر الگ نکالا جاتا ہے۔ سال کے اندر جتنی بھی فصلیں کاشت ہوں گی، ان سب پر ہی عُشر واجب ہے۔ عُشر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

زکوٰۃ و عُشر کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے، نماز اور روزے کی طرح یہ بھی ایک فرض عبادت ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کی سب سے مقدم عبادت نماز کے بعد اس کا مقام ہے۔ نماز ہجرت سے پہلے شب معراج کو فرض ہوئی جبکہ زکوٰۃ دو ہجری میں فرض ہوئی۔ قرآن مجید میں ۸۲ جگہوں پر نماز کی فرضیت کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اور تنہا زکوٰۃ کا ذکر اس کے علاوہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کی کس قدر اہمیت ہے۔ زکوٰۃ ایک مالی فریضہ اور عبادت ہے جو پچھلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی شریعتوں میں بھی ایک دینی فریضہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر زکوٰۃ اس لیے فرض کی ہے تاکہ محتاج اور ضرورت مند مسلمانوں اور انسانوں کی مدد کی جاسکے۔ اسی طرح خرچ کرنے والوں کی تعریف اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(التوبہ:103)

ترجمہ: آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) اِن کے مال میں سے صدقہ لیجیے تاکہ آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) اُنھیں پاک کریں اور اس کے ذریعہ اِن کا تزکیہ کریں اور اِن کے حق میں دُعا فرمائیں۔ بے شک آپ (خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کی دُعا اِن کے لیے (باعثِ) تسکین ہے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

زکوٰۃ و عشر ادا کرنے والوں کا انعاماتِ آخرت کی بشارت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (السبا:39)

ترجمہ: اور جو بھی چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

زکوٰۃ محض ناداروں کی کفالت اور دولت کی تقسیم کا ایک موزوں ترین عمل ہی نہیں بلکہ ایک ایسی عبادت ہے جو مال کے ساتھ ساتھ قلب او رُوح کا میل کچیل بھی صاف کرتی ہے۔ ابتدائے اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لا کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے قلب مبارک سے بے ساختہ طور پر ان کے لیے دعائیں نکلتی تھیں، چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی دعائیں حاصل کرنے کے لیے زکوٰۃ پیش کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

دورِ اوّل میں جب اسلام مکمل طور پر ملکی قانون کے طور پر نافذ تھا تو نماز اور زکوٰۃ کا نظام بھی باقی قوانین و احکام کی طرح حکومت ہی قائم کرنے کی ضامن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انہیں یہ تلقین فرمائی:

"ان کو اس گواہی دینے کی دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور اس کی کہ میں اللہ کا (سچا آخری) رسول ہوں۔ پھر اگر وہ تمھاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ لوگ تمھاری یہ بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کر دی ہے جو ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں پر صرف کی جائے گی"۔ (صحیح بخاری:1395)

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

ترجمہ: "صدقہ گناہ کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے یعنی ختم کر دیتا ہے" اور "صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا رہتا ہے۔" (مشکوۃ المصابیح، حدیث: 389)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی زکوٰۃ کو بہت اہمیت دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست کو نازک ترین صورتِ حال اور بحران کا سامنا کرنا پڑا تو سب سے بڑا چیلنج منکرینِ زکوٰۃ کا تھا۔ اسلامی تاریخ کے اس انتہائی نازک لمحے میں خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کمال جرأت ایمانی سے اس بات کا اعلان کیا کہ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں کسی قسم کی تفریق اور امتیاز روا رکھے گا، میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔ چناں چہ امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف کھلم کھلا جہاد کا اعلان کیا اور دستے روانہ کیے۔ اسی طرح باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی زکوٰۃ کو جمع کرنے اور تقسیم کرنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے چند شرائط درج ذیل ہیں۔

- مسلمان ہونا: کافر پر زکوٰۃ واجب نہیں۔
- بالغ ہونا: نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں۔
- عاقل ہونا: مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں جبکہ اسی حال میں سال گزر جائے۔
- آزاد ہونا: غلام پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ اس کے مالک نے تجارت کی اجازت دے دی ہو۔
- مال بقدرِ نصاب اس کی ملک میں ہونا، اگر نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ نہیں۔
- نصاب پر ایک سال کامل کا گزر جانا۔
- مال قرض سے فارغ ہو یعنی قرض ادا کرنے کے بعد نصاب کے برابر ہو۔

مصارفِ زکوٰۃ

بے شک زکوٰۃ تو (صرف) فقرا اور مسکینوں اور اس (کی تحصیل و تقسیم) پر مامور کارکنان اور (اُن کے لیے ہے) جن کی تالیف قلب (مطلوب) ہو اور غلاموں کی آزادی میں اور قرض داروں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہے یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ (التوبہ: 60)

زکوٰۃ و عشر ادا کرنے کے فوائد و حکمت

اسلامی فلاحی مملکت میں رفاہِ عامہ اور نظامِ حکومت چلانے کے لیے زکوٰۃ و عشر ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ زکوٰۃ و عشر دینے کے بے شمار فوائد میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

- زکوٰۃ و عشر ادا کرنے میں اطاعتِ الٰہی کی پاسداری ہوتی ہے اور اطاعتِ الٰہی سے دین و دنیا کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔
- زکوٰۃ و عُشر دینے سے مال پاک ہو جاتا ہے اور اس سے مال میں برکت ہوتی رہتی ہے۔
- زکوٰۃ و عُشر ادا کرنے سے مال کی محبت کم ہوتی ہے جس سے اخلاق میں پختگی آتی ہے۔
- زکوٰۃ و عُشر ادا کرنے سے بے شمار بلائیں اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں۔

- زکوٰۃ و عُشر ادا کرنے سے دولت گردش میں رہتی ہے جس سے معاشرے میں غربت میں کمی اور معاشی ناہمواری ختم ہوتی ہے۔
- زکوٰۃ ادا کرنے سے معاشرتی تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔

حاصلِ کلام:

زکوٰۃ و عشر اسلام کے اہم ستونوں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک ایسا معاشی نظام ہے، جو غریبوں اور مسکینوں کی خوش حالی کا ضامن ہے جس کے ذریعے معاشرے سے غربت کا خاتمہ بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انسانوں میں سخاوت اور صدقہ کرنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس سے امیروں اور غریبوں کے درمیان پیار و محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشرہ خوش حال ہو جاتا ہے۔ غریبوں اور مسکینوں کی مدد اور تعاون کا یہ ایک ایسا نظام ہے جو اقتصادی و معاشی سطح پر کمزور اور مجبور لوگوں کو مضبوط کرتا ہے۔

مشق

سوال نمبر ا۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

ا۔ صاحبِ نصاب اپنے مال پر زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔

الف۔ دسواں حصہ　　ب۔ بیسواں حصہ　　ج۔ تیسواں حصہ　　د۔ چالیسواں حصہ

۲۔ عشر ادا کیا جاتا ہے۔

الف۔ زیورات پر　　ب۔ روپے پیسے پر　　ج۔ زمینوں پر　　د۔ فصلوں کی پیداوار پر

۳۔ منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ جہاد کیا۔

الف۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے　　ب۔ حضرت عمر فاروق ؓ نے

ج۔ حضرت عثمان ؓ نے　　د۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نے

۴۔ جن کاموں پر زکوٰۃ و عُشر خرچ ہو سکتی ہے، کہلاتے ہیں۔

الف۔ مصارفینِ زکوٰۃ و عُشر　　ب۔ نصابِ زکوٰۃ و عُشر　　ج۔ واجباتِ زکوٰۃ و عُشر　　د۔ فرائضِ زکوٰۃ و عُشر

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کرنے کی سب سے بڑی وجہ تھی۔

الف۔ منکرین کا خلیفہ کے خلاف جنگ کی تیاری کرنا۔　　ب۔ خلیفہ کا مالی مسائل کا شکار ہونا۔

ج۔ مسلمانوں کا غیر مسلموں کو زکوٰۃ دینا۔　　د۔ عہدِ نبوی کی طرح زکوٰۃ کی پابندی کروانا۔

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

ا۔ زکوٰۃ اور عُشر کے لغوی معنی کیا ہیں؟

۲۔ زکوٰۃ کی اہمیت میں قرآن مجید کی ایک آیت اور اس کا ترجمہ تحریر کریں۔

۳۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید کے بارے میں حدیث مبارکہ بیان کریں۔

۴۔ مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

۵۔ زکوٰۃ و عُشر کو مکمل اور بروقت ادا کرنے کے تین معاشرتی فائدے لکھیں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ زکوٰۃ و عُشر کی فضیلت و اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھیں۔

۲۔ زکوٰۃ وعُشر کے نصاب اور مصارف پر مفصل نوٹ لکھیں۔

۳۔ زکوٰۃ وعُشر مکمل اور بروقت ادا کرنے سے معاشرے کی ترقی اور خوشحالی پر مرتب ہونے والے اثرات کا تفصیلی جائزہ پیش کریں۔

۴۔ زکوٰۃ وعُشر کی اہمیت سے آگاہ ہو کر ہم کس طرح سخاوت اور صدقہ وخیرات کر کے معاشی اعتبار سے کمزور طبقے کی مدد کر سکتے ہیں، وضاحت کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ آپس میں زکوٰۃ اور اس کے معاشرے پر اثرات کے بارے میں بات چیت کریں۔
- سخاوت اور صدقہ وخیرات کی مختلف صورتوں کی نشان دہی کریں اور اپنے ہم جماعت طلبہ کو بتائیں کہ وہ کن کن صورتوں پر عمل کرتے ہیں۔
- طلبہ چند آیاتِ قرآنی کی فہرست (سورۃ کا نام اور آیت نمبر) بنائیں جن میں زکوٰۃ کا ذکر ہو۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو زکوٰۃ اور عُشر کی حکمت آسان الفاظ میں سمجھائیں۔
- طلبہ کو اسلامی معاشی نظام سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ معاشی اعتبار سے کمزور طبقے کے مددگار بن سکیں۔
- کمرا جماعت میں اسلامی نظام معیشت اور اس کے فوائد نیز غیر اسلامی نظام معیشت اور اس کے مفاسد کے بارے میں مذاکرہ کا اہتمام کریں۔

حج اور قربانی

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم	صلاحیت
• حج اور قربانی کی اہمیت سے آگاہ ہو سکیں۔ • حج اور قربانی کے دلائل جان سکیں۔ • حج اور عمرہ کے فضائل اور مناسک سے آگاہ ہو سکیں۔ • حج اور قربانی کے فلسفہ اور حکمتوں سے آگاہ ہو سکیں۔	• حج اور عمرہ کی اہمیت سے آگاہ ہو کر صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں حج اور عمرہ کرنے والے بن سکیں۔ • قربانی کی اہمیت سے آگاہ ہو کر صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں جذبہ اخلاص کے ساتھ قربانی کرنے والے بن سکیں۔
• حرمین شریفین، بیت اللہ، روضۂ رسول ﷺ، آثار نبویہ اور مقامات مقدسہ کی اہمیت و برکت سے آگاہ ہو سکیں۔	• حرمین شریفین، بیت اللہ، روضۂ رسول ﷺ، آثار نبویہ اور مقامات مقدسہ کے انوار و فیوض سے مستفیض ہونے والے بن سکیں۔
• اُمّتِ مُسلمہ کی آفاقیت اور اجتماعیت کے سلسلے میں حج کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں۔	• ملتِ اسلامیہ کی آفاقیت اور اجتماعیت کے تصور سے آگاہ ہو کر عالمی اخوت و یگانگت کی روح پیدا کر سکیں۔

معنی و مفہوم

اسلامی مہینے ذی الحج میں مقررہ تاریخوں پر مکہ مکرمہ میں جا کر کیے جانے والے متعینہ اعمال کو مناسک کہتے ہیں۔

حج ارکان اسلام میں پانچواں اور اہم رکن ہے۔ اس کی فرضیت کا حکم قرآن مجید میں واضح طور پر آیا ہے۔ حج کے لغوی معنی ہیں "کسی اہم کام کی انجام دہی کا قصد کرنا یا ارادہ کرنا"۔ اسلامی شریعت میں حج سے مراد ذی الحج کے مقررہ ایام میں بیت اللہ شریف کی زیارت کرنا اور مقررہ مناسک وقت اور طریقے کے مطابق ادا کرنا ہے۔ یہ مناسک بیت اللہ شریف، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ادا کیے جاتے ہیں۔

حج کے ایام میں، دس ذی الحج کو مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے جانور اللہ کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔ اسی کو قربانی کہا جاتا ہے۔

حج کی اہمیت و فضیلت

حج اسلام کا پانچواں رُکن ہے۔ یہ ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں جسمانی اور مالی عبادات شامل ہیں۔ فریضہ حج کی ادائی کے لیے مکہ مکرمہ کے سفر کی تکالیف برداشت کرنا، لاکھوں روپے خرچ کرنا اور مناسک کی ادائی میں مشقت کے ساتھ ساتھ اپنے آرام اور نیند کی قربانی کرنا بھی شامل ہوتا ہے۔ خاص لباس پہننا اور اپنے جذبات و احساسات اور خواہشات کو ترک کر کے اللہ کو راضی کرنے کے لیے کوشاں رہنا حج کی رُوح ہے۔ حاجی کے دل میں

اس دوران میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا جذبہ موجزن رہتا ہے اور تمام معاملات سے اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے۔ اس دوران بھوک، پیاس اور موسم کی شدت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ حج ہر عاقل و بالغ، تندرست اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے اور یہ شرط بھی عائد کی گئی ہے کہ حج کے مقام تک پہنچنے کا راستہ بھی پر امن ہو اور اس کے گھر والوں کے پاس اس عرصے کے لیے ضروری وسائل بھی موجود ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آلِ عمران: 97)

ترجمہ: ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا (فرض) ہے جو کوئی بھی اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو اور جس کسی نے کفر کیا تو بے شک اللہ جہان (والوں) سے بے نیاز ہے۔''

نظام شریعت کا نفاذ مرحلہ وار ہوا۔ پہلے وہ احکام نازل ہوئے جس میں آسانی تھی۔ حج ۹ ہجری میں فرض ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال خود حج نہیں فرمایا بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں لوگوں کو حج کے لیے روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیّبہ میں سن ۱۰ ہجری میں حج ادا فرمایا جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: ''جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے حج کرتا ہے اور وہ دورانِ حج فسق و فجور سے پاک رہتا ہے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا۔'' (سنن نسائی: 2628)

اللہ تعالیٰ کریم ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں سے پاک کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق حج گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی میل کچیل کو دھو ڈالتا ہے گویا حج کے بعد گھر لوٹنے والا گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے۔ حج کی اسی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''جس (صاحبِ استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت حج سے روک رہی ہو، نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو، اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو چاہے وہ یہودی ہو کے مرے یا نصرانی''۔

(مشکوٰۃ المصابیح: 2521)

اس حدیث مبارکہ سے صاحبِ استطاعت ہوتے ہوئے حج نہ کرنے والے کے لیے اتنی سخت وعید یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی شرعی عذر کے بغیر حج نہ کرنے سے آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور ہو جاتا ہے۔ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے انعام سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اُس کی ناراضی کا مستحق ہوتا ہے۔

مناسکِ حج

آٹھ سے تیرہ ذوالحجہ کے دوران ہر سال مکہ مکرمہ میں مناسکِ حج مقررہ مقامات پر ادا کیے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران حج کے تمام مناسک کو خود کر کے دکھایا تھا اور اعلان فرمایا:

خُذُوْاعَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ

ترجمہ: ''اپنے مناسک حج مجھ سے سیکھ لو۔'' (مسند احمد: 4430)

مناسکِ حج میں نیت کرنا، احرام باندھنا، تلبیہ پڑھنا، وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کرنا فرض ہیں۔ منیٰ میں قیام، کنکریاں مارنا، صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا، بال منڈوانا یا ترشوانا، قربانی کرنا، مزدلفہ میں رات کا قیام کرنا اور طوافِ وداع کرنا بھی مناسکِ حج ہیں۔ ان تمام مناسک کا اپنے اپنے مقررہ وقت پر اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں حج مکمل نہیں ہوتا۔

> **کیا آپ جانتے ہیں؟**
> حج کے دوران میں شیطان کو کنکریاں مارنے کو ''رمی'' کرنا کہتے ہیں جبکہ صفا اور کے درمیان مروہ پر دوڑنے کو ''سعی'' کرنا کہا جاتا ہے۔

- حُجاج کرام 8 ذی الحج کو منیٰ پہنچ کر رات یہاں قیام کرتے ہیں، ذکر واذکار اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ اُنھوں نے احرام باندھ رکھے ہوتے ہیں اور حُرمت والے تمام امور سے پرہیز کرتے ہیں جو احرام کی صورت میں لازم ہیں۔
- منیٰ میں رات گزارنے کے بعد میدان عرفات کی طرف چل پڑتے ہیں۔ کچھ پیدل سفر کرتے ہیں کچھ بسوں گاڑیوں پر اور کچھ ریل گاڑی پر یہاں پہنچ کر ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی ادا کرتے ہیں۔ میدان عرفات میں قیام وقوفِ عرفہ کہلاتا ہے اور یہ حج کا رکن اعظم ہے۔
- امام صاحب مسجدِ نمرہ سے خطبہ حج ارشاد فرماتے ہیں جس میں توحید، رسالت اور آخرت کے ساتھ حج کے مناسک کی اہمیت اور ادائی پر بات کی جاتی ہے۔ عالم اسلام کو درپیش مسائل اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اُن کے حل پر بھی بات کی جاتی ہے۔
- غروب آفتاب تک حُجاج دُعا و مناجات میں مصروف رہ کر اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ یہ روح پرور منظر غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے۔
- غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی حجاج عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور رات کھلے آسمان تلے گزاری جاتی ہے۔

> آبِ زمزم پینے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے باوضو اور کھڑے ہو کر تین سانس میں پیا جائے اور آبِ زمزم پیتے وقت یہ دعا کرنی چاہیے:
> اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا وَّاسِعًا، وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ۔
> ''اے اللہ! میں تجھ سے مفید علم، فراخ رزق اور ہر بیماری سے شفاء کا طلب گار ہوں۔''

- حجاج کرام صبح فجر کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر رمی کی جاتی ہے، جس کے لیے کنکریاں مزدلفہ سے ساتھ لے لی جاتی ہیں۔
- رمی کے بعد جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے۔
- قربانی کے بعد حجاج اپنے سر کے بال منڈواتے ہیں یا ترشواتے ہیں اس کا مقصد اللہ کے حکم پر اپنی خواہشات کو قربان کرنا ہے۔
- مسجد الحرام جا کر بیت اللہ طوافِ زیارت اور صفا و مروہ کی سعی کرتے ہیں۔

> **عمرہ کی فضیلت**
> حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
> ''رمضان میں عمرہ کرنا، حج کرنے کے

- حج کے اگلے دو یا تین دن منیٰ میں ہی قیام کر کے رمی کی جاتی ہے۔ یوں مناسکِ حج انجام پاتے ہیں۔ حجاج اپنے گھر واپسی سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف الوداع کرتے ہیں۔

حج اور عمرہ میں فرق

حج و عمرہ میں درج ذیل امور کے لحاظ سے فرق ہے:

- حج میں وقوف عرفات، طواف اور سعی ہے جبکہ عمرہ میں وقوف نہیں صرف طواف اور سعی ہے۔ طواف اور سعی کے مجموعہ کا نام عمرہ ہے البتہ احرام دونوں میں شرط ہے۔
- حج کے لیے شرعاً وقت معین ہے اور عمرہ کے لیے کوئی معین وقت نہیں، جب چاہیں عمرہ ادا کر لیں سوائے یومِ عرفہ اور اس کے بعد کے چار دن۔ ان پانچ دنوں میں عمرہ کرنا منع ہے۔
- حج صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے جبکہ عمرہ فرض تو نہیں مگر صاحب استطاعت جتنے چاہے ادا کر سکتا ہے۔
- عمرہ کی لبیک یعنی تلبیہ طواف کی ابتداء کرتے ہی ختم ہو جاتی ہے اور حج کی تلبیہ کا وقت رمی جمرہ عقبہ کے وقت ختم ہوتا ہے۔
- عمرہ میں کوئی گناہ ایسا نہیں کہ جس کے کفارے میں بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی دی جائے۔
- عمرہ میں طواف قدوم نہیں جبکہ حج میں طواف قدوم ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

طوافِ قدوم: حاضری کے وقت سب سے پہلے بیت اللہ کا جو طواف کیا جائے اسے طواف قدوم کہتے ہیں۔

حج قران: عمرہ اور حج ایک ساتھ ایک احرام میں کیا جائے۔

حج تمتع: عمرہ اور حج ایک ساتھ الگ الگ احرام میں کیا جائے۔

قربانی:

10 ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور یہ کنکری تقریباً کھجور کی گٹھلی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے بعد حاجی قربان گاہ جا کر قربانی کرتے ہیں۔ قربانی حج کے شکرانے میں حج قران اور حج تمتع کرنے والے دونوں پر واجب ہے چاہے وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں۔ قربانی سے فارغ ہو کر حلق و قصر کروایا جاتا ہے۔ حج افراد کرنے والے کے لیے یہ قربانی مستحب ہے چاہے وہ غنی ہو۔ حاجی یہ تین اُمور ترتیب سے ادا کرے۔ سب سے پہلے رمی کرنا، اس کے بعد قربانی کرنا، پھر حلق یا قصر کروانا۔

قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب ہے۔ مسلمان ہر سال ان کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے قربانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ قربانی کرنا نہ صرف ایک دینی فریضہ ہے بلکہ اس سے زندگی میں کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ انسان اپنی قیمتی چیزوں کی اللہ کی راہ میں قربانی دے کر یہ سیکھتا ہے کہ سب کچھ اللہ ہی طرف سے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔

اُمّتِ مُسلمہ کی آفاقیت اور اجتماعیت

> **مقاماتِ مقدسہ کی زیارت**
>
> حج کے دوران میں بے شمار مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کی جاتی ہے جن میں کعبۃ اللہ، حجرِ اسود، رکن یمانی، میزابِ رحمت، حطیم، مقام ابراہیم، آبِ زمزم، صفا و مروہ، جبلِ رحمت، مسجدِ خیف، المعلیٰ، البقیع، روضۂ رسول ﷺ، گنبدِ خضریٰ، سنہری جالیاں، ریاض الجنۃ، جبل النور، جبل ثور، جبل اُحد وغیرہ شامل ہیں۔

مسلمانوں کے لیے حج ایک ایسا عالمی اور روحانی اجتماع ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ یہ مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کی علامت بھی ہے۔ رنگ و نسل اور زبان و علاقہ کی تمیز کے بغیر سب مسلمان برابر ہیں اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ مناسک حج کے دوران میں مسلمان اخوّت، مساوات، یکجہتی اور باہمی اتحاد کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ روح پرور عالمی اجتماع اسلام کے رعب، دبدبہ اور قوت کی علامت بھی ہے۔ تمام مسلمان اخوت کے رشتے میں تسبیح کے دانوں کی طرح پروئے ہوتے ہیں۔ کسی رنگ، نسل یا زبان کے امتیازات سے بالا ہو کر سب ایک جیسا لباس (احرام) پہنتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں ایک جیسے اعمال کرتے ہیں اور ہر طرف سے تلبیہ کی آوازیں بلند ہو کر ایک روح پرور سماں باندھ دیتی ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے مسلمان ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے حالات کو سمجھتے ہیں اور یوں ایک عالم گیر برادری کا حصہ بنتے ہیں۔ اسلام کا نظام عبادات دراصل ایک نظام تربیت ہے جو فرزندان توحید کو ہر قسم کے فرق کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اپنی خواہشات کو قربان کر کے اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع کرنے کے لیے تیار کرتا ہے۔ حج میں دیگر تمام عبادات کی روح بھی شامل ہوتی ہے اور مسلمان تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اس موقع پر اگر تمام مسلمان ملکوں کے علماء مل کر ملت کو درپیش مسائل پر بات چیت کریں اور ان کا حل تلاش کریں تو یہ حج کی عالم گیریت کے مقاصد حاصل کرنے کا اہم موقع بن سکتا ہے۔

حج کے فوائد و اثرات

- حج کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں میں اخوّت و بھائی چارے کا عملی نمونہ سامنے آتا ہے۔
- حج میں سادگی کی تربیت ملتی ہے۔ احرام کا لباس شاہ و گدا کی تمیز کو مٹا دیتا ہے۔
- حج بدنی، مالی اور روحانی تینوں قسم کی عبادتوں پر مشتمل ہے۔
- حج کے دوران میں مسلمانوں کو نظم و ضبط کی تربیت ملتی ہے۔
- حج کے موقع پر مختلف اسلامی ممالک کے لوگوں کو مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس باہمی مشاورت کو اُمت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔
- حج دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے اتحاد اور یگانگت کی علامت ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے مختلف رنگوں، زبانوں اور نسلوں کے افراد مل جل کر رہتے ہیں اور مناسکِ حج ادا کرتے ہیں۔
- اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو احساس ہوتا ہے کہ ہم ایک ملت ہیں۔ نیز ایک مسلم امّت کا لازمی حصہ ہیں۔

حج ایک ایسی اجتماعی عبادت ہے جس میں ہمارے لیے بے شمار روحانی فضائل اور معاشی و معاشرتی فوائد پوشیدہ ہیں۔ اسلام میں حج کی اہمیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے تمام صاحبِ استطاعت مسلمانوں کو چاہیے کہ اس عظیم فرض کو بھرپور انداز میں ادا کریں۔ اس میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے اور ہمارے لیے دنیا اور آخرت کی بے شمار برکتیں ہیں۔

مشق

سوال نمبر۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ حج کے لغوی معنی ہیں:

الف۔ طواف کرنا　ب۔ ارادہ کرنا　ج۔ زیارت کرنا　د۔ قربانی کرنا

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کب ارشاد فرمایا؟

الف۔ سات ہجری　ب۔ آٹھ ہجری　ج۔ نو ہجری　د۔ دس ہجری

۳۔ حج کا رکن اعظم ہے:

الف۔ طوافِ زیارت　ب۔ مزدلفہ کا قیام　ج۔ قربانی کرنا　د۔ وقوف عرفہ

۴۔ حج مسلمانوں کو تیار کرتا ہے:

الف۔ ایک ملت بن کر رہنے کے لیے　ب۔ ہر طرح کی عبادت کرنے کے لیے

ج۔ وقت کی پابندی کے لیے　د۔ جان و مال کی قربانی کے لیے

۵۔ حج کے دوران میں میدانِ عرفات میں مسلمانوں کے اجتماع سے سب سے اہم سبق ملتا ہے کہ

الف۔ سب مسلمانوں کو باقاعدگی سے حج کرنا چاہیے۔　ب۔ غریب اور نادار مسلمانوں کی مدد کرنی چاہیے۔

ج۔ ہم نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔　د۔ ساری دنیا کے مسلمان ملتِ واحد کی طرح ہیں۔

سوال نمبر۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ قرآن کے حوالے سے حج کی اہمیت بیان کریں۔

۲۔ احادیث مبارکہ میں حج کی فضیلت کس طرح بیان ہوئی ہے؟

۳۔ حج کی شرائط بیان کریں۔

۴۔ حج سے مسلمانوں کی وحدت کا مقصد کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

۵۔ حج اور عمرے کا فرق واضح کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ حج کے معنی و مفہوم اور مقاصد بیان کریں۔

۲۔ مناسکِ حج کی تفصیل دیں اور بتائیں حج مسلمانوں کی ایک عالم گیر برادری بننے میں کیسے مدد کرتا ہے؟

۳۔ حج کے انفرادی اور اجتماعی فوائد و ثمرات کا جائزہ پیش کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ تلبیہ لبّیک اللّٰھم لبّیک کو یاد کر کے مل کر بلند آواز سے پڑھنے کی مشق کریں۔
- مناسک حج کے اہم مقامات کی تصاویر اپنی کاپی پر چسپاں کریں اور مناسکِ حج کے نام تحریر کریں۔
- صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں آپ پہلے حج کرنا چاہیں گے یا عمرہ؟ دونوں صورتوں میں دلائل دیں۔

برائے اساتذہ کرام

- احرام باندھنے (مردوں اور عورتوں کے لیے) اور حج کے دیگر آداب کے بارے میں بتائیں۔
- طلبہ کو قربانی کی اہمیت سے آگاہ کریں تاکہ وہ صاحب استطاعت ہونے کی صورت میں جذبہ اخلاص کے ساتھ قربانی کرنے والے بن سکیں۔
- حرمین شریفین، بیت اللہ، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، آثار نبویہ اور دیگر مقامات مقدسہ کے انوار و فیوض پر سیر حاصل گفتگو کریں۔
- طلبہ کو بتائیں کہ حج سے اخوت و بھائی چارے کا کیا سبق ملتا ہے۔

باب سوم

سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

غزوۂ تبوک

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اس کے نتائج سے آگاہ ہو سکیں۔

علم

- غزوہ تبوک کے اسباب، وجوہات اور پس منظر سے آگاہ ہو سکیں۔
- غزوہ تبوک کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔
- اس غزوہ کی مشکلات اور منافقین کے کردار سے آگاہ ہو سکیں۔
- اس غزوہ میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قربانیوں اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے آگاہ ہو سکیں۔
- غزوہ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی انتظامی صلاحیتوں سے آگاہ ہو سکیں۔

صلاحیت

- نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں سے آگاہ ہو کر اعلاء کلمۃ اللہ (غلبہ اسلام) کے لیے قربانی کا جذبہ پیدا کر سکیں۔
- منافقین کے کردار سے آگاہ ہو کر منافقت کی تمام صورتوں سے اجتناب کرنے والے بن سکیں۔
- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہم کے واقعے سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہر حال میں سچائی پر کاربند رہنے والے بن سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار ابتلاء قرار دیا ہے چناں چہ مومن ہر طرح کی کیفیت اور ہر قسم کے حالات میں آزمایا جا رہا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ فرماتے ہیں: مومن کی شان عجیب ہے کہ اس کے ہر معاملے میں اس کے لیے خیر و بھلائی پوشیدہ ہے، اگر اسے خیر پہنچے وہ اس پر شکر کرے تو اجر کما لیتا ہے اور اگر کسی تکلیف سے دوچار ہوا اور اس پر صبر کرے تو اللہ کی رضا کو پا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 7500)

پس منظر

ایک طرف فتح مکہ کے ساتھ عرب میں اسلام کے سب سے بڑے مخالف گروہ (قریش مکہ) کا زور ٹوٹ چکا تھا اور وفود شہر مصطفی میں جوق در جوق حاضر ہو کر اسلام کا اقرار کر رہے تھے تو دوسری طرف روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے حملے کی خبریں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس فتنے کے سدّباب کی غرض سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنگی تیاری کا حکم دیا تاکہ اسلامی سلطنت کی سرحدوں کو محفوظ بنایا جاسکے۔

غزوہ کی تیاری

جنگوں میں نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کوچ کے وقت تک اپنی منزل کے متعلق خبر نہیں دیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے معاملہ راز نہیں رکھا کیونکہ راستہ کٹھن تھا، مسافت دور دراز کی تھی اور دشمن بڑی تعداد میں جمع ہو چکا تھا۔ ہجرت کو نو سال مکمل

ہو چکے تھے اور عیسائیوں کے مدمقابل یہ پہلی جنگ تھی۔ یہ وقت انتہائی کٹھن تھا، مدینہ منورہ میں کھجور کی فصل تیار ہونے اور پکنے کے قریب تھی، قحط سالی، مسافت اور گرمی کی شدت کے باوجود اہل ایمان نے حکمِ الٰہی کو ہر دنیاوی اور مادی فائدے پر مقدم رکھا۔ چناں چہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ایمانی جوش و خروش سے تیاری شروع کر دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایثار و سخاوت

اس موقع پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایثار و سخاوت کے غیر معمولی واقعات ملتے ہیں۔ جنگ کے لیے امداد جمع کی جانے لگی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کی ذمہ داری اٹھائی، نو سو اونٹ، ایک سو گھوڑے، دس ہزار دینار اور بے شمار زادِ راہ پیش کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس سخاوت پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"آج کے بعد عثمان کا کوئی عمل انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا؛ یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ ان کے پیش کردہ دیناروں کو خوشی سے الٹ پلٹ رہے تھے"۔ (سنن ترمذی: 3701)

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ہر معرکے میں پیش پیش رہے، اپنی کل ملکیت لے آئے جس کی قیمت لگ بھگ چار ہزار درہم تھی۔ نبی کریم ﷺ ان کے جذبے کو بخوبی جانتے تھے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ابو بکر! اپنے گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ تو عرض کیا: میں ان کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خیر کی مسابقت میں پیچھے نہ رہے اور اپنا آدھا مال پیش کر دیا اور کہنے لگے: اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) آج یقین ہو گیا کہ آپ سے آگے نہیں نکلا جا سکتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا بہت سا مال پیش کیا۔ خواتین نے بھی اس کارِ خیر میں بھرپور شرکت کی، کئی خواتین نے اپنے زیورات بھجوائے۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے نوّے وسق کھجور خدمتِ نبوی ﷺ میں پیش کی (ایک وسق ایک اونٹ پر لادے جانے والے بوجھ کے برابر ہوتا ہے)۔

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اس سخاوت و ایثار کے جذبے کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کے جذبے کی قدر فرماتے تھے۔ جہاں مادّی تیاری زوروں پر تھی، وہیں روحانی تیاری بھی کرائی جاتی تھی۔ تیاری مکمل ہونے کے بعد تیس ہزار کا لشکر لیے نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے حضرت محمّد بن مَسلَمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے رہنے پر کچھ پریشانی اور گرانی محسوس ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے علی! کیا آپ راضی نہیں کہ آپ کی حیثیت میرے لیے وہی ہو جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام کی تھی! مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر 6218)۔ یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیتوں اور آپ ﷺ کے اُن پر اعتماد کا آئینہ دار ہے۔

منافقین کا کردار

منافقین نے ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے درمیان پھوٹ اور تفرقہ ڈالنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔ اس غزوے کی تیاری کے دوران میں بھی منافقین صدقات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں کو ریاکاری کا طعنہ دیتے تھے اور بہت تھوڑا سا مال پیش کرنے

والوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ مدینہ منورہ میں کھجور کی فصل تیار ہونے اور پکنے کے قریب ہونے، قحط سالی، مسافت اور گرمی کی شدت کی وجہ سے غزوہ کی حمایت میں نہیں تھے اور مسلمانوں کے حوصلے بھی پست کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

تبوک کی طرف سفر

کچھ منافقین غزوے میں شرکت کے لیے نکلے لیکن مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے اپنی منافقت کا اظہار کرتے ہوئے راستے سے واپس ہوگئے۔ یہ تو ایمان کا امتحان تھا، اور وہی لوگ ہمراہ رہے جن کے دل جذبہ ایمانی سے سرشار تھے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی کی نفاق کے اس ٹولے کا پیچھے رہ جانا ہی بہتر تھا۔ دورانِ سفر ایک روز پانی بالکل ختم ہوگیا، پیاس سے لوگ پریشان تھے۔ نبی ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے۔ یہ علاقہ اس وقت بالکل بنجر تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اے معاذ! اگر آپ زندہ رہے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ علاقہ باغ و بہار بن جائے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ (صحیح مسلم: 5947)

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پڑاؤ کے دوران میں دُور دُھول اڑتی دیکھی، جس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کرے ابوخیثمہ ہوں! حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے تھے، لیکن شدید گرمی میں جب باغ میں ٹھنڈا پانی دیکھا تو دل میں نبی کریم ﷺ کی ایسی محبت جاگی کہ فوراً نکل پڑے اور لشکر سے جا ملے۔

تبوک میں قیام اور مدینہ منورہ کی طرف واپسی

اس غزوہ کو قرآن نے مشکل گھڑی قرار دیا ہے۔ ایک موقع پر کھانے کا سامان ختم ہوگیا۔ حالت ایسی تھی کہ ایک کھجور کو باری باری چوس کر گزارا کیا جا رہا تھا لیکن ان تمام حالات میں اہل ایمان کا یہ قافلہ رواں دواں رہا۔ یہاں تک کہ ساڑھے چھے سو کلو میٹر سے زائد سفر طے کرکے یہ لشکر تبوک پہنچا۔ یہاں لشکر نے دس پندرہ دن پڑاؤ ڈالا لیکن رومیوں کے دلوں میں ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ مقابلے کے لیے نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ نے اس دوران میں ارد گرد کے قبائل میں خطوط بھیجے اور انھیں اسلام کی دعوت دی اور بعض قبائل سے صلح کے معاہدے بھی طے پائے۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا سفر شروع ہوا۔ مدینہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ منافقین کی بنائی ہوئی مسجد ضرار کو ڈھانے کا حکم نازل ہوا۔ چناں چہ لشکرِ ایمان نے مغرب اور عشاء کے درمیان اس مسجد کو زمین بوس کر دیا۔

مدینہ میں آمد اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ

جب نبی کریم ﷺ مدینہ پہنچے تو وہ منافقین جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے، انھوں نے فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہانے بنانا اور قسمیں اٹھا اٹھا کر عذر پیش کرنا شروع کر دیے۔ نبی کریم ﷺ ان کی حقیقت جاننے کے باوجود خاموش رہے۔ ان منافقین کے علاوہ تین صحابہ رضی اللہ عنہم بھی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اُن میں حضرت کعب بن مالک، حضرت مرارۃ بن الربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ انھوں نے سچائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم نے کسی مجبوری کے بغیر غزوے میں شرکت نہیں کی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے بات چیت سے منع فرمایا۔ یہ ان کی استقامت اور سچائی کا کڑا امتحان تھا کہ ایک طرف منافقین جھوٹ بول کر سرخرو ہوگئے اور یہ لطافتِ نبوی سے وقتی طور پر محروم ہوگئے۔ چند دن بعد آپ ﷺ نے انھیں اپنے گھر والوں سے بھی الگ رہنے کا حکم دیا، البتہ

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ چونکہ بزرگ تھے اس لیے ان کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت دے دی گئی۔ اسی طرح پچاس دن گزر گئے، پھر ان کی توبہ کی قبولیت کے متعلق وحی اتری۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا مسجد میں بھرپور استقبال کیا اور انھوں نے بھی بقدر استطاعت مال صدقہ کیا۔

یہ غزوہ ہمیں اس بات کا درس دیتا ہے کہ مومن کی سب سے قیمتی متاع اس کا ایمان ہے، اور جب بھی اسے آزمایا جائے گا وہ اپنے ایمان کی خاطر سب کچھ لٹانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے گا۔ اسی طرح ہمیں اس غزوے سے اسلام کے لیے اپنی جان اور مال کو پیش کرنے کا جذبہ بھی سیکھنے کو ملتا ہے۔ اسی طرح یہ غزوہ ہمیں سچ کی اہمیت اور سچائی کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی اہمیت سے روشناس کراتا ہے کہ سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ آخری غزوہ تھا جس میں نبی کریم ﷺ شریک ہوئے۔ اللہ کی مدد آن پہنچی تھی اور لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہو رہے تھے اور مقصد کی تکمیل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا دنیا سے پردہ فرمانے کا وقت بھی قریب تر آ چکا تھا۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ غزوہ تبوک میں جنگ کی نوعیت کیا تھی:

الف۔ انفرادی ب۔ دفاعی ج۔ اقدامی د۔ اجتماعی

۲۔ سورۃ توبہ میں اس غزوہ کو کس نام سے موسوم کیا گیا ہے؟

الف۔ عسرۃ ب۔ ضرار ج۔ جہاد د۔ مشقہ

۳۔ تبوک اور مدینہ کے درمیان تقریباً کتنے کلومیٹر کا فاصلہ ہے؟

الف۔ 600 ب۔ 650 ج۔ 700 د۔ 750

۴۔ آپ ﷺ نے اس غزوے میں اپنے کس عزیز کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا؟

الف۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ب۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

ج۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ د۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۵۔ آپ ﷺ نے تبوک سے واپسی پر کس چیز کو ڈھانے کا حکم فرمایا؟

الف۔ قبہ ب۔ گھر ج۔ مسجد ضرار د۔ چٹان

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ غزوہ تبوک کے اسباب مختصر تحریر کیجیے۔

۲۔ مسلمانوں نے مشکل حالات میں اس غزوہ کے لیے تیاری کیسے کی؟

۳۔ عسکری معاملات کو ملکی مفاد میں راز میں رکھنے کی سیرتِ طیبہ سے مثال دیں۔

۴۔ اس غزوہ کے نتائج رومیوں پر غلبے اور دیگر کفار کے اعتبار سے تحریر کریں۔

۵۔ دورانِ سفر نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو ہدایات دیں، ان کی اہمیت بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے **تفصیلی** جواب تحریر کریں۔

۱۔ غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی تیاری کا جائزہ پیش کریں۔

۲۔ غزوۂ تبوک کے اسباب و نتائج پر نوٹ لکھیں۔

۳۔ غزوۂ تبوک سے ہم اپنی عملی زندگی میں کیا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ وضاحت کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- سورۃ توبہ میں غزوہ تبوک سے متعلق آیات کی فہرست بنائیں اور ان سے نکلنے والے اسباق تحریر کریں۔
- غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کے لشکر اور دیگر چیزوں کی تفصیل پر مبنی چارٹ بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- جماعت کے کمرے میں منافقت کی مختلف صورتوں پر مذاکرہ کریں۔
- احادیث کی کتب سے حدیثِ توبہ کا ترجمہ تلاش کر کے اسے سنایا جائے، پھر اس پورے واقعے سے کم از کم دس فوائد کی فہرست طلبہ سے بنوائیں۔

حجۃ الوداع

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم	صلاحیت
• حجۃ الوداع کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔	• نبی کریم ﷺ کے حج مبارک کے واقعات سے آگاہ ہو کر حج کا شوق اور ترغیب حاصل کر سکیں۔
• خطبہ حجۃ الوداع کی اہمیت اور تعلیمات سے آگاہ ہو سکیں۔	• خطبہ حجۃ الوداع کی تعلیمات سے آگاہ ہو کر ان کو اپنی عملی زندگی میں اپنا سکیں۔
• حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے خطبے کو جان کر اہل بیت خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت و منقبت سے واقف ہو سکیں۔	• اہل بیت کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو کر ان سے محبت، احترام و توقیر اور پیروی کرنے والے بن سکیں۔

پس منظر

نبوت کے تئیس سال پورے ہونے کو تھے اور اسلام پورے عرب میں پھیل چکا تھا۔ یکے بعد دیگرے تقریباً سبھی قبائل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سورۃ نصر نازل ہوئی، جس میں آپ ﷺ کے لیے اشارہ تھا کہ گویا آپ کا کام اب مکمل ہو گیا ہے۔ چناں چہ آپ نے وصال سے پہلے تعلیمات اسلامیہ کو سارے عرب تک پہنچانے کے لیے حج کا ارادہ فرمایا۔ مدینہ منورہ میں اعلان فرما دیا گیا کہ اس مرتبہ نبی اکرم ﷺ خود حج کی قیادت فرمائیں گے، اس لیے تمام عرب سے مسلمان اس میں شریک ہوں۔ اطراف عرب سے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس شرف کو حاصل کرنے کی خاطر مدینہ منورہ پہنچی۔ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر احرام باندھا تو لبیک لبیک کی آواز سے فضا گونج اٹھی اور فرزندانِ توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔

آخری حج

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا یہ آخری حج تھا۔ اس کو "حجۃ الاسلام" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے یہی ایک حج کیا۔ اس کے علاوہ اس کو 'حجۃ البلاغ' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کا احاطہ کیا گیا تھا اور عوام الناس تک دین کو پہنچانے کا کام مکمل ہوا تھا۔ اس خطبے کو خطبہ حجۃ الوداع بھی کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے حج کے تمام مناسک سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ حج کی عبادت میں سے تمام مشرکانہ رسوم ختم کر دی گئیں اور صدیوں کے بعد خالص ابراہیمی سنت کے مطابق فریضہ حج ادا کیا گیا۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ عملی طور پر لاکھ سے زیادہ فرزندانِ توحید نے حج کے مناسک ادا کیے۔ آپ ﷺ نے 9 ذی الحجہ کو ان کے سامنے ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: 3)

ترجمہ: آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام بطورِ دین پسند کر لیا۔

اس آیت مبارکہ کو آیتِ تکمیلِ دین بھی کہا جاتا ہے۔ اس حج کے دوران میں سر انجام دیے گئے چیدہ چیدہ اعمال کا خلاصہ یوں ہے:

- خطبہ دینے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ! اذان کہو۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی تو آپ ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ پھر آپ ﷺ نے نہایت گریہ وزاری اور انکساری سے دعا فرمائی۔ یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج غروب ہونے تک جاری رہی۔
- غروب آفتاب کے بعد آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس مزدلفہ تشریف لائے۔ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں۔ اگلے دن فجر کی نماز اوّل وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا۔
- نبی کریم ﷺ نے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو کنکریاں چن لینے کا حکم فرمایا اور انھوں نے یہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے نشیب میں جمرۃ العقبٰی کو کنکر مارنے کے لیے قیام فرمایا اور تکبیر پڑھتے ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔
- نبی کریم ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے، جو قریب حاضر تھے، فرمایا سیکھ لو شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکوں۔
- یہاں پر نبی کریم ﷺ نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل، طریقہ اور احکام بیان فرمائے۔
- پھر آپ ﷺ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی۔ قربانی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ قربانی کی کھالیں مساکین میں تقسیم کر دو۔ پھر آپ ﷺ نے حجامت بنوائی۔ یہاں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ واپس کعبۃ اللہ تشریف لائے اور طواف فرمایا۔ اس کے بعد آپ زم زم پہ تشریف لائے اور کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے اسے نوش فرمایا۔
- پھر اسی وقت آپ ﷺ منیٰ کو تشریف لے گئے رات کو منیٰ میں قیام فرمایا اور صبح اٹھ کر زوال سے پہلے جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ، اور پھر جمرہ عقبیٰ کو کنکریاں ماریں۔ یہی عمل تین دن تک فرمایا۔ پھر آپ ﷺ مکہ واپس آئے اور بغیر رمل طوافِ وداع فرمایا۔ صبح کی نماز کعبۃ اللہ میں ادا فرما کر واپس مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا۔

خطبہ حجۃ الوداع

آپ ﷺ نے 9 ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں خطبہ ارشاد فرمایا جسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں جو انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع ایک اہم تاریخی دستاویز اور 'حقوقِ انسانی کے چارٹر' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبے کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- خطبہ حجۃ الوداع اسلام کے معاشرتی نظام کی بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ معاشرتی مساوات، نسلی تفاخر کا خاتمہ، عورتوں کے حقوق، غلاموں کے ساتھ حسن سلوک، ایک دوسرے کے جان و مال اور عزت و احترام پر زور دیا گیا۔ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر اسلام کا معاشرتی نظام ترتیب پاتا ہے۔
- اس خطبے نے معاشی عدم توازن کا راستہ بند کرنے کے لیے سود کو حرام قرار دیا کیونکہ سود سرمایہ دار طبقہ کو محفوظ طریقہ سے دولت جمع کرنے کے مواقع فراہم کرتا ہے۔
- اس خطبے نے بہت سے اہم قانونی اصول متعین کیے ہیں۔ سیاسی طور پر یہ خطبہ اسلام کے منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ دنیا بھر کو اس خطبے کے ذریعے بتایا گیا کہ اسلامی حکومت کن اصولوں کی بنیاد پر تشکیل پائے گی اور ان اصولوں پر تعمیر ہونے والا نظام انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔ اسی بنا پر اسے انسانیت کا منشورِ اعظم قرار دیا گیا ہے۔

اپنے خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

> ترجمہ: "اے لوگو! بے شک تمھارا ربّ ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ ایک ہے، ہاں عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب سے" (مسند احمد: 23489)۔

- نبی کریم ﷺ نے کامل انسان اور مومن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ سلامت رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کے اموال اور جانیں امن میں رہیں۔ مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔
- اس خطبے میں نبی کریم ﷺ نے مردوں، عورتوں اور غلاموں کے حقوق بیان فرمائے اور دنیا کو احترامِ انسانیت سکھایا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو سچ کی تلقین کی، اخوت اور اتحاد سے رہنے پر زور دیا۔

حاصلِ کلام

یہ ہمارے محبوب نبی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کا آخری پیغام ہے اور اس میں ہم ہی مخاطب بنائے گئے ہیں۔ اس کی نوعیت پیغمبر اکرم ﷺ کی وصیت کی سی ہے۔ اس کے آخر میں حضور ﷺ نے درد بھرے انداز سے فرمایا کہ میں نے بات پہنچا دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! گواہ رہنا، میں نے پیغام پہنچا دیا۔ لہٰذا لازم ہے کہ اسے پڑھ کر ہماری روحیں بیدار ہو جائیں، ہمارے جذبے جاگ اٹھیں اور ہمارے دل دھڑکنے لگیں۔ اس پیغام کا اہم سبق یہ ہے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی حضور ﷺ کے فرمودات کے مطابق گزاریں۔

خطبہ غدیرِ خُم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے "حجۃ الوداع" سے مدینہ منورہ واپسی کے موقع پر غدیر خُم (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پر خطبہ

ارشاد فرمایا جسے خطبہ غدیرِ خُم کہا جاتا ہے اور اس خطبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد فرمایا تھا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا دوست ہے۔(سنن ترمذی:3713)

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں مبارک باد پیش کی: اے ابو طالب کے فرزند آپ کو مبارک ہو، آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے۔

یہ واقعہ اہلِ بیت اطہار خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کو ثابت کرتا ہے۔ اس واقعے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی مقام و مرتبہ اور آپ رضی اللہ عنہ سے مودت و الفت کے تعلق کا علم ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع مسلمانوں کے لیے معاشی اور معاشرتی تعلیمات کے حوالے سے اسوہ فکر و عمل ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اختیار کرنے، تقویٰ کے علاوہ رنگ و نسل کے دیگر امتیازات کو نظر انداز کرنے کی تلقین فرمائی۔ ان تعلیمات کو سیکھنے سمجھنے اور عملی زندگی میں ڈھالنے کی صورت میں ہم اپنے معاشرے کو احترام، مساوات، سب کے حقوق کی پاسداری اور معاشی و معاشرتی ہمواری کی بنا پر ایک اچھا معاشرہ بنا سکتے ہیں۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے ۷ ذی الحجہ کو قیام فرمایا:۔

الف۔ منیٰ میں　　ب۔ مزدلفہ میں　　ج۔ مکہ میں　　د۔ ذوالحلیفہ میں

۲۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر کس چیز کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا؟

الف)۔ جھوٹ　　ب۔ سود　　ج۔ ملاوٹ　　د۔ چوری

۳۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے کس کے حقوق کی پر زور تاکید کی۔

الف۔ عورتوں　　ب۔ جانوروں　　ج۔ پرندوں　　د۔ بوڑھوں

۴۔ قربانی سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فوراً کیا عمل کیا؟

الف) طواف کیا　　ب۔ عمرہ کیا　　ج۔ کنکریاں ماریں　　د۔ حجامت بنوائی

۵۔ حجۃ الوداع کو کیا کہا جاتا ہے۔

الف۔ حجۃ الاحسان　　ب۔ حجۃ الایمان　　ج۔ حجۃ الاسلام　　د۔ حجۃ الیقین

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ حجۃ الوداع سے کیا مراد ہے؟

۲۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فضیلت کا معیار کسے قرار دیا؟

۳۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے مسلمان کی کیا تعریف بیان فرمائی؟

۴۔ آپ ﷺ نے عرفات کے میدان میں کیا عمل فرمایا؟

۵۔ آپ ﷺ نے غدیرِ خُم کے مقام پر کیا عمل فرمایا اور اُس کی کیا اہمیت ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ حجۃ الوداع کا پس منظر بیان کریں نیز ہمیں اس سے کیا سبق ملتا ہے؟

۲۔ نبی کریم ﷺ کے حج کی ترتیب پر ایک مختصر فہرست مرتب کریں۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں موجود معاشی و معاشرتی تعلیمات کو ہم اپنی عملی زندگی میں کب، کہاں اور کیسے اپنا سکتے ہیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- حجۃ الوداع کا تاریخ وار چارٹ بنا کر کلاس میں آویزاں کریں۔
- جماعت کے کمرے میں آخری خطبے کی معاشی و معاشرتی تعلیمات پر مذاکرہ کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو نقشے، گلوب یا گوگل میپ کی مدد سے حجۃ الوداع میں مذکورہ اہم مقامات کی نشان دہی کروائیں اور بیت اللہ سے ان کے فاصلوں سے آگاہ کریں۔

وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- وصالِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے واقعے کو جان سکیں۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آخری وصیتوں خصوصاً نماز، خواتین اور زیرِ دست افراد سے حسن سلوک سے آگاہ ہو سکیں۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی فضیلت سے آگاہ ہو سکیں۔

صلاحیت

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی آخری وصیتوں سے آگاہ ہو کر اپنی عملی زندگی میں ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت سے اپنے قلوب کو منور کر کے کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے عادی بن سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے کے لیے مختلف قوموں، قبیلوں اور علاقوں میں وقتاً فوقتاً نبی اور رسول بھیجے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا جس کی تکمیل کے لیے ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے زندگی کے آخری تئیس سال تبلیغِ دین کا فریضہ علانیہ سرانجام دیا اور اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ ''شاید اگلے سال میں تم لوگوں سے اس جگہ پر نہ مل سکوں۔'' ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ''جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ دینِ حق کا پیغام ان لوگوں تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں''۔ گویا یہ ایک اعلان تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا فریضہ مکمل کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کا اعلان ان الفاظ میں ہوا:

ترجمہ: ''میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام بطورِ دین پسند کر لیا۔'' (المائدہ: ۳)

اور اس طرح سورۃ نصر کی آیات بھی نازل ہو گئیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال مبارک کی طرف بھی اشارہ تھا۔

حجۃ الوداع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جنت البقیع اور اُحد میں قبور کی زیارت میں اضافہ کر دیا تھا۔ ان تمام باتوں سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے مقصد کی تکمیل فرمالی ہے اور وصال کی گھڑی قریب ہے۔

اگلے سال گیارہ ہجری صفر کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طبیعت مبارکہ پر بخار کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طبیعت ناساز رہنے لگی اور آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کافی حد تک کمزور بھی ہو گئے۔ تاہم آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ جب کمزوری حد سے بڑھ گئی اور کھڑے رہنا دشوار ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازیں پڑھانے کا حکم فرمایا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زندگی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امامت کے فرائض ادا کرنے لگے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی آخری ایام کی نصیحتیں

حضور اکرم ﷺ زندگی کے آخری ایام میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ بخوبی سرانجام دیتے رہے۔ بیماری کے دوران میں جب بھی افاقہ ہوتا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحتوں سے نوازتے۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "تم سے پہلے کئی لوگوں نے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اور برباد ہو گئے تم ایسا ہر گز نہ کرنا"۔ (صحیح مسلم: 532)

اسی طرح آپ ﷺ نے نماز کی پابندی، خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک اور زیردست افراد کا خیال رکھنے کی بھی تاکید فرمائی۔ گویا آپ ﷺ نے امت کو پیغام دیا کہ بندوں کے حقوق موت سے پہلے ادا کر دینے چاہییں یا معاف کرا لینے چاہییں کیونکہ ان کا حساب ہونا ہے۔ آپ ﷺ نے جو آخری خطبہ ارشاد فرمایا اس میں وصال کا واضح پیغام تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے وہ دنیا کی نعمتیں قبول کر لے یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ لے لے لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاں کی نعمتوں کو قبول کر لیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بات کی تہ تک پہنچ گئے اور بے اختیار رو پڑے اور فرمایا کہ ہم اپنے ماں باپ آپ پر قربان کر دیں!" (صحیح بخاری: 3904)

وصال: صفر اور ربیع الاول کے ابتدائی دنوں میں آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ میں اتار چڑھاؤ جاری رہا۔ کبھی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو کبھی افاقہ ہو جاتا۔ آخری دنوں میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی اجازت سے آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں قیام پذیر رہے۔ بخار تیز ہوتا تو ٹھنڈے پانی سے چہرۂ مبارک دھوتے۔ بارہ ربیع الاول پیر کی صبح بیماری میں کچھ افاقہ ہوا۔ آپ ﷺ نے حجرے کے پردے کی اوٹ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے دیکھا اور خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے تبسّم فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ ﷺ کو دیکھا اور مطمئن ہوئے کہ آپ ﷺ کی طبیعت بحال ہو گئی ہے لیکن کچھ ہی دیر بعد بخار میں شدت آ گئی۔ آپ ﷺ بار بار پانی میں ہاتھ بھگو کر چہرہ مبارک پر پھیرتے۔ اس حالت میں بھی آپ ﷺ نے تعلیم کا فریضہ انجام دیتے ہوئے نماز کی پابندی اور غلاموں سے اچھے سلوک کی تلقین فرمائی۔

آپ ﷺ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو سہارا دے رکھا تھا اور آپ ﷺ کے آخری الفاظ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی (اے اللہ، اے عالی شان رفیق) تھے۔ وصالِ مبارک کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تریسٹھ برس تھی۔ تمام مسلمانوں پر آپ ﷺ کی وصال کی خبر سے غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر غیر معمولی غم اور دکھ کا اظہار فرمایا۔ اہلِ بیت اطہار خاص طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی وفات پر اپنے دکھ کا اظہار اشعار کی صورت میں فرمایا:

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ: مجھ پر جو مصیبتیں پڑیں اگر وہ (روشن) دنوں پر پڑتیں تو وہ راتوں میں تبدیل ہو جاتے۔

آپ ﷺ کی قبر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جہاں آپ ﷺ کا وصال ہوا، تیار کی گئی۔ غسل اور تکفین کے سارے امور آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرانجام دیے۔ مسلمان مدینہ منورہ اور قرب و جوار سے جوق در جوق آئے

اور آپ ﷺ کی زیارت کی۔ یوں تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کا آخری دیدار کیا۔ آپ ﷺ کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں کی گئی۔

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی رسالت اور نبوت کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا جسے ہم ختم نبوت کے تصور سے جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے قیامت تک آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین (اسلام) نازل کردہ کتاب (قرآن مجید) اور قانون (شریعت) کو حتمی قرار دے دیا۔ قیامت تک آنے والے تمام انسان ہدایت کے حصول کے لیے دینِ اسلام کی پیروی کر کے دین و دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر میدان میں سیرت و کردار کا جو معیار مقرر فرما دیا وہی کامیابی کا پیمانہ اور نجات کا ذریعہ ہے۔ ہمیں دل و جان سے آپ ﷺ کی سیرت اور خاص طور پر آپ ﷺ کی آخری وصیتوں پر عمل کرنا چاہیے جو قیامت تک کے تمام انسانوں کے تمام معاملات کے لیے بھرپور رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

اسی طرح ہمیں آپ ﷺ کے احسانات کا تصور کرتے ہوئے محبت و الفت کے ساتھ آپ کی خدمتِ اقدس میں درود و سلام پیش کرتے رہنا چاہیے اور آپ ﷺ کی مسجد اور قبرِ مبارک پر حاضری کے دوران میں بھی درود و سلام کے نذرانے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنی چاہیے جو بہت مبارک عمل ہے اور قربِ الٰہی اور شفاعتِ نبوی کا ذریعہ ہے۔ ہم آپ ﷺ کی کامل اتباع اور آپ ﷺ کے مبارک اُسوہ پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی سعادتیں اور برکتیں حاصل کر سکتے ہیں۔

مشق

سوال نمبر ا۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

ا۔ آپ ﷺ کے وصالِ مبارک کا اشارہ دیا گیا ہے:

الف۔ سورۃ بقرہ میں　ب۔ سورۃ آل عمران میں　ج۔ سورۃ مائدہ میں　د۔ سورۃ نصر میں

۲۔ آپ ﷺ نے آخری حج ادا فرمایا:

الف۔ ۹ ہجری میں　ب۔ ۱۰ ہجری میں　ج۔ ۱۱ ہجری میں　د۔ ۱۲ ہجری میں

۳۔ آپ ﷺ کی بیماری کی ابتداء ہوئی:

الف۔ محرم الحرام میں　ب۔ صفر میں　ج۔ ربیع الاول میں　د۔ ربیع الثانی میں

۴۔ آپ ﷺ کی تکفین کا انتظام کیا:

الف۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے　ب۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے

ج۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے　د۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

۵۔ بیماری کے آخری دنوں آپ ﷺ کس اُمّ المؤمنین کے ہاں تشریف فرما تھے؟

الف۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا　ب۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا　ج۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا　د۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے اگلے سال کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا؟

۲۔ حضور ﷺ کے بعد اشاعتِ دین کی ذمہ داری اب کس پر ہے اور کیوں؟

۳۔ آخری سال آپ ﷺ کا جنتُ البقیع اور اُحد کی زیارت کرنا کس بات کی طرف اشارہ تھا؟

۴۔ بخار کی شدت کم کرنے کے لیے آپ ﷺ کیا کرتے تھے؟

۵۔ وصالِ نبوی ﷺ کے ساتھ نبوت ورسالت کا باب بند ہونے سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ حضور ﷺ کے اپنے آخری ایام کی نصیحتوں پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۲۔ حضور ﷺ کے وصال کا واقعہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۳۔ حضور ﷺ کے وصال مبارک کے بعد امت کیا ذمہ داری ہے اور وہ ذمہ داری کب، کیسے اور کہاں ادا کی جاسکتی ہے؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- نبی کریم ﷺ کی وصیتوں کے متعلق مذاکرہ کریں۔
- نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام کی ہدایات (نماز، طہارت، خواتین کے حقوق، ماتحت افراد سے حسن سلوک وغیرہ) کی فہرست بنائیں اور موجودہ دور میں ان کی اہمیت کے متعلق کمرہ جماعت میں اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو آپ ﷺ کے ختم نبوت کے منصب اور اس حوالے سے مسلمانوں کی ذمہ داری سے آگاہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم بہ طور سرچشمۂ ہدایت (صلہ رحمی)

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- اُسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سے صلہ رحمی کی مثالیں جان سکیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرت میں اہلِ بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صلہ رحمی کی ترغیب و تلقین کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔
- عمر اور رزق میں اضافہ و برکت کے حوالے سے صلہ رحمی کی اہمیت جان سکیں۔
- سیرتِ طیبہ سے صلہ رحمی کی مختلف صورتوں (مالی و بدنی) کے متعلق آگاہ ہو سکیں۔
- معاشرتی زندگی میں صلہ رحمی کے فوائد اور قطع رحمی کے نقصانات کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- صلہ رحمی جیسی صفت کو اپنا کر قرابت داری کے حقوق ادا کر سکیں۔
- اُسوہ حسنہ کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صلہ رحمی کو سمجھ کر اپنی عملی زندگی میں شامل کر سکیں۔
- صلہ رحمی جیسی صفت کو روز مرّہ زندگی میں اپنا کر خاندانی زندگی کے استحکام کا باعث بن سکیں۔

صلہ رحمی کا معنی ہے رشتہ داریوں اور تعلقات کی رعایت کرنا اور انھیں جوڑے رکھنا اور حتی الامکان ٹوٹنے سے بچانا۔

قرآن و سنّت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرتِ طیّبہ سے ہمیں صلہ رحمی کی اہمیت و فضیلت اور اس کے دنیوی واُخروی فوائد و ثمرات کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح قطع رحمی کے دنیوی و اُخروی نقصانات کا بھی پتا چلتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر صلہ رحمی کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم نے قطع رحمی کرنے کو اللہ کی لعنت کا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾ (محمد: 22-23)

ترجمہ: پھر تم سے کیا توقّع رکھی جائے اگر تم حاکم بن جاؤ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ گے اور اپنی قرابت داریاں کاٹنے لگو گے۔ یہ وہ لوگ ہیں اللہ نے اُن پر لعنت کر دی چناں چہ اُنھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

احادیثِ مبارکہ میں بھی صلہ رحمی کی بہت تاکید آئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلہ رحمی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم میرے بعض رشتے دار ہیں میں اُن سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ قطع رحمی کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں مگر وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ جہالت کا معاملہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اگر ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا تو گویا کہ تم ان پر راکھ ڈال رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلے میں تمھارے ساتھ ہمیشہ ایک مددگار (فرشتہ) رہے گا جب تک تم اس پر قائم رہو گے۔ (صحیح مسلم: 6525)۔

ایک حدیث میں نبوی ﷺ میں ہے: ''لوگوں کے ساتھ برابر کا معاملہ رکھنے والا صلہ رحمی نہیں کرتا بلکہ اصل صلہ رحمی تو وہ کرتا ہے کہ جس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ پھر بھی صلہ رحمی کرے'' (صحیح بخاری: 5645)۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میرے پاس تشریف لائیں، میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ وہ (مجھ سے ملاقات کی) خواہش مند ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری: 2620)

آپ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔ ترجمہ: ''جو شخص یہ چاہے کہ اس کے رزق میں وسعت اور فراوانی ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اُسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔'' (صحیح بخاری: 1961)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے صلہ رحمی کے فوائد بیان فرماتے ہوئے اسے رزق کی فراوانی اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا ہے جس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کے مال میں برکت ہو جاتی ہے اور تھوڑا کمایا ہوا بھی کافی ہو جاتا ہے اور عمر میں برکت ہو جاتی ہے یعنی کم عمری میں ہی وہ اتنا کام کر لیتا ہے جتنا بڑی عمر کے لوگ نہیں کر پاتے۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رشتہ داریوں کا خیال رکھنے اور صلہ رحمی کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی فرماتے تھے کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے جو قطع رحمی کریں (صحیح بخاری: 2068) یعنی صلہ رحمی کا یہ معنی نہیں ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے جیسا وہ کرتے ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے ساتھ اس وقت بھی صلہ رحمی کی جائے جب وہ صلہ رحمی نہ کر رہے ہوں بلکہ قطع تعلقی اختیار کر رہے ہوں۔ صلہ رحمی کے مفہوم میں مالی و بدنی دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا اپنے اچھے رویے اور حسن سلوک کے ساتھ ساتھ مالی طور پر بھی صلہ رحمی کرنی چاہیے جس میں بقدر استطاعت مالی مدد اور مختلف مواقع پر ہدیہ دینا بھی شامل ہے۔

صلہ رحمی کے فوائد و ثمرات دنیا کی حد تک نہیں ہیں بلکہ اس کے اثرات قیامت کے دن بھی مرتب ہوں گے اور صلہ رحمی کرنے والوں کو اس کے فوائد اور قطع رحمی کرنے والوں کو اس کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> ترجمہ: ''قیامت کے دن رحم یعنی رشتہ داری اللہ کے عرش کے ساتھ لٹک کر اللہ سے یہ درخواست کرے گی کہ اے اللہ جس نے مجھے جوڑا تو اسے جوڑ دے اور جس نے مجھے توڑا تو اسے توڑ دے۔ (صحیح مسلم: 6519)

جیسے صلہ رحمی کے فوائد و ثمرات دنیا میں مرتب ہوتے ہیں ویسے ہی قطع رحمی کے نقصانات بھی بعض اوقات دنیا میں سامنے آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس بات کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ "دو گناہ ایسے بڑے ہیں کہ ان کی سزا صرف آخرت میں نہ ہو گی بلکہ دنیا میں بھی ان گناہوں کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا ایک ظلم اور دوسرا قطع رحمی" (سنن ترمذی: 2511)

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ صلہ رحمی کی اعلیٰ مثال تھی۔ آپ نے ہمیشہ اپنے خاندان اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ فرمایا۔ ہمیشہ ان کی خبر گیری کی، ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ فرمایا اور اگر ان میں سے کسی کی طرف سے تکلیف اور اذیت کا بھی مظاہرہ کیا گیا تو آپ نے رشتہ داری کی رعایت کرتے ہوئے ان کے اس رویے کو خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ بھرپور صلہ رحمی کا معاملہ فرمایا۔ آپ اپنے حقیقی رشتہ داروں کے ساتھ ہی صلہ رحمی نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے

رضاعی والدین اور بہن بھائیوں کا بھی بھرپور خیال رکھتے تھے۔ ان کی خبر گیری فرماتے تھے اور ان کی ضرورتوں کو بھی پورا فرماتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے تمام رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی فرماتے تھے جن میں آپ ﷺ کے سسرالی رشتے دار بھی شامل تھے۔ آپ ﷺ نے اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی صلہ رحمی کی ترغیب و تلقین فرمائی اور انھوں نے عمر بھر اس کا عملی مظاہرہ کیا۔

ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے صلہ رحمی کے اسوہ کو سیکھنے، اپنانے اور اپنی عملی زندگی میں اس کا مظاہرہ کرنے اور اپنے تمام دور و نزدیک کے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اسوۂ نبوی ﷺ سے یہ بات بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ صلہ رحمی کا معنی یہ نہیں ہے کہ صرف ان رشتہ داروں سے سلام دعا رکھی جائے اور ملا جائے جو ہم سے ملتے ہوں بلکہ ان رشتہ داروں سے بھی تعلق رکھا جائے جو ہم سے نہیں ملتے یا قطع تعلقی اختیار کرتے ہیں اور یہ ہی صلہ رحمی کا اصل مفہوم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صلہ رحمی کے اسوہ کو اپنا کر ہم اپنے خاندانی تعلق میں محبت والفت کے جذبات کو پروان چڑھا سکتے ہیں جس کے نتیجے میں خاندانی تعلقات میں استحکام پیدا ہوگا اور معاشرے میں اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ قرآن کریم میں صلہ رحمی نہ کرنے کو ذریعہ قرار دیا گیا ہے:

الف۔ اللہ کی ناراضی کا　ب۔ غصے کا　ج۔ لعنت کا　د۔ عذاب کا

۲۔ صلہ رحمی قیامت کے دن لٹکی ہوگی:

الف۔ کرسی سے　ب۔ آسمان سے　ج۔ عرش سے　د۔ سورج سے

۳۔ صلہ رحمی سے اضافہ ہوتا ہے۔

الف۔ حافظے میں　ب۔ رزق میں　ج۔ حسن میں　د۔ ذہانت میں

۴۔ صلہ رحمی نام ہے:

الف۔ بھائی چارے کا　ب۔ مساوات کا　ج۔ عدل وانصاف کا　د۔ رشتہ داری جوڑنے کا

۵۔ عمر میں اضافے کا ذریعہ ہے:

الف۔ تہجد　ب۔ حج　ج۔ صلہ رحمی　د۔ روزہ

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ صلہ رحمی کا معنی کیا ہے؟

۲۔ صلہ رحمی کے بارے میں ایک آیت مبارک کا ترجمہ لکھیں۔

۳۔ صلہ رحمی کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ کا ترجمہ لکھیں۔

۴۔ صلہ رحمی کے بارے میں سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک واقعہ بیان کریں۔

۵۔ قطع رحمی کے بارے میں ایک وعید لکھیں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ قرآن وسنّت کی روشنی میں صلہ رحمی کی اہمیت بیان کریں۔

۲۔ صلہ رحمی کے دنیوی واُخروی اثرات کا جائزہ پیش کریں۔

۳۔ ہم قرآن وسنّت اور سیرت طیبہ میں صلہ رحمی کے اسوۂ نبوی کو اپنی عملی زندگی میں کب اور کہاں عمل میں لا سکتے ہیں؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- طلبہ ان رشتہ داروں کی فہرست مرتب کریں جن کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے
- طلبہ صلہ رحمی کے مختلف مواقع پر آپس میں مذاکرہ کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو شادی بیاہ، غمی خوشی کے مختلف مواقع پر صلہ رحمی کرنے کی عملی صورتوں اور تدبیروں سے آگاہ کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم بہ طور سر چشمۂ ہدایت
(خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک)

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- اُسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم میں خواتین کے احترام کی مثالیں جان سکیں۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رشتہ دار خواتین اور صحابیات کے ساتھ حسنِ سلوک کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔
- سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشرتی زندگی میں خواتین کے احترام اور حسنِ سلوک کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- سیرت طیبہ کی روشنی میں خواتین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنا کر ان کے حقوق ادا کرنے والے بن سکیں۔
- اُسوہ حسنہ کی روشنی میں خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حسن سلوک کی پیروی کر سکیں۔
- خواتین کے ساتھ احترام کرنے والے بن کر روحانی تزکیہ اور معاشرتی اصلاح کا باعث بن سکیں۔

حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زندگی گھر کے افراد اور خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے تعامل کی آئینہ دار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی شبانہ روز کی مصروفیات کے باوجود تمام لوگوں کے حقوق کی ادائی کا اہتمام فرماتے تھے چاہے وہ بچے ہوں، بڑے ہوں، مرد ہوں، عورتیں ہوں، رشتہ دار ہوں یا عام لوگ۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم جیسے مردوں کے ساتھ شفقت وانسیت کا مظاہرہ فرماتے تھے ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نبوی شفقت خواتین کے لیے بھی رہتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نہ صرف ان کی تربیت فرماتے تھے بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے بھی پیش آتے، چاہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رضاعی والدہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ازواج مطہرات ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بیٹیاں ہوں، عام مسلمان خواتین یا غیر مسلم خواتین ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت والفت سے پیش آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے رضاعی ماؤں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسنِ سلوک کا ہمیشہ اہتمام فرمایا اور ان کا اعزاز واکرام کیا۔ ایک موقع پر جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ملاقات کے لیے تشریف لائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چادر مبارک اتار کر اپنی رضاعی والدہ کو اس پر بٹھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا سے احترام سے پیش آتے اور ان کی مالی معاونت بھی فرماتے یہاں تک کہ ہجرت کے بعد مکہ جانے والوں کے ذریعے ان کی خدمت میں تحفے اور کپڑے بھیجا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ازواج مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے ساتھ محبت اور رحمت کا معاملہ مثالی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم نے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے کسی عورت اور خادم کو نہیں پیٹا“۔ (سنن ابو داؤد: 4786)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اخلاق کی گواہی یوں دی:

آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اخلاق قرآن ہے۔ (صحیح مسلم: 1847)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: "تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔" (سنن ترمذی: 3895)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بھی سرکارِ دو عالم ﷺ ان کا ہمیشہ بہترین الفاظ میں تذکرہ کرتے اور ان کی سہیلیوں کو تحائف بھجواتے رہتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر اتنا رشک نہیں آتا تھا جتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، حالانکہ آپ ﷺ سے میری شادی سے قبل ہی وہ انتقال فرما چکی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اکثر آپ ﷺ کا ان کو ذکرِ خیر کرتے سنتی تھی۔ ان کا اس کثرت سے تذکرہ آپ ﷺ کے ان کے ساتھ تعلق اور اُن کی وفا کے اعتراف کا آئینہ دار تھا۔

آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ بھی شفقت کا مظاہرہ فرماتے تھے اور جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے آتی تھیں تو آپ ﷺ اُن کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے اور اس معاملے میں کبھی روک ٹوک نہ فرماتے تھے۔

ایک سفر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں، پیدل دوڑ میں آپ ﷺ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا تو وہ حضور ﷺ سے آگے نکل گئیں، اس کے کچھ عرصہ بعد جب ان کا آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ میں دوبارہ مقابلہ ہوا تو آپ ﷺ جیت گئے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمھاری اس جیت کا جواب ہو گیا۔ (سنن ابوداؤد: 2578)

آپ ﷺ کی ان سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ ایک ہی برتن میں ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور پانی پیتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

ترجمہ: "میں پانی پیتی اور آپ ﷺ مجھ سے برتن لے لیتے اور اسی جگہ منہ لگا کر پیتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا"۔ (صحیح مسلم: 300)

آپ ﷺ کا تمام ازواجِ مطہرات کے ساتھ تعلق بہت پیار، محبت، الفت اور احترام پر مبنی تھا۔ جب آپ ﷺ مدینہ طیبہ میں ہوتے تو روزانہ عصر کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے، گھر کے کاموں میں اُن کی معاونت فرماتے ہوئے آٹا گوندھ دیتے، گھر کے کام کرنے میں عار نہ محسوس کرتے اور ہر ایک کی ضرورت معلوم کر کے اس کی تکمیل فرماتے۔ جب سفر پر روانہ ہوتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، جس کا نام نکل آتا اسے سفر میں ساتھ لے جاتے۔

آپ کو اپنی تمام بیٹیوں سے بہت محبت تھی۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی"۔ (صحیح بخاری: 3714) حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب حضور نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں تو آپ ازراہِ احترام اور محبت کھڑے ہو جاتے اور شفقت سے ان کی پیشانی کا بوسہ لیتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے۔

اسی طرح آپ ﷺ اپنی بیٹیوں اور نواسے، نواسیوں سے بھی محبت کا بھرپور اظہار فرماتے تھے۔ایک دفعہ آپ ﷺ لوگوں کی امامت کر رہے تھے اور آپ کی نواسی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی اُمامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا آپ کے کندھے پر تھیں، جب آپ رکوع کرتے تو انہیں کندھے سے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو پھر انھیں اٹھا لیتے تھے۔(صحیح مسلم: 543)

مسلمان عورتیں جب آپ ﷺ کے پاس کوئی مسئلہ بیان کرنے آتیں، آپ ﷺ سے ملنا چاہتیں یا آپ سے کچھ سیکھنا چاہتیں تو آپ ﷺ ان کے لیے مستقل وقت نکالتے تھے، ان کو الگ سے جا کے وعظ و نصیحت کرتے تھے، اگر ان کا کوئی سوال ہوتا تھا تو اس کو پورا کرتے تھے اور ان کی ضرورتوں کی تکمیل فرماتے تھے۔آپ ﷺ غیر مسلم خواتین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا معاملہ فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے احترام کا عملی مظاہرہ عمر بھر جاری رہا اور آپ ﷺ نے وفات سے پہلے امت کو جن چند چیزوں کی تاکید فرمائی اس میں خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک بھی تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا: "سنو! تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو۔" (صحیح بخاری: 5186) آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے اپنی بیویوں اور دیگر خواتین کے ساتھ ناروا اور نامناسب رویے کا علم ہوتا تو آپ ﷺ بڑی حکمت کے ساتھ اس رویے کی اصلاح فرماتے، ایسے ہی ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی بیویوں کو مارنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں"۔

(صحیح ابن حبان: ۱۴۸۹)

ہمیں حضور ﷺ کے خواتین کے ساتھ حسن سلوک سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنے سے تعلق رکھنے والی ہر عورت مثلاً والدہ، بہن، بیٹی، بیوی اور دیگر رشتہ دار خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آئیں اور دیگر خواتین یعنی مسلم اور غیر مسلم عورتوں کا بھی احترام اور ان کی توقیر کریں۔اس طرح اگر ہم رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کو سمجھ کر اس پر عمل کریں گے تو اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر ادب و احترام کے جذبات کو فروغ حاصل ہوگا اور خواتین کی بے توقیری، بے قدری اور بے اکرامی کے منفی پہلوؤں سے معاشرہ محفوظ رہ سکے گا۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ روزانہ کون سی نماز کے بعد تمام ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے؟

الف۔ ظہر　ب۔ عصر　ج۔ مغرب　د۔ عشاء

۲۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کس کی بیٹی ہیں؟

الف۔ حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا　ب۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا　ج۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا　د۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے کیا رشتہ تھا؟

الف۔ رضاعی بہن کا　ب۔ سگی ماں کا　ج۔ رضاعی ماں کا　د۔ سگی بہن کا

۴۔ تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو کے لیے اچھا ہے۔

الف۔ اپنی اولاد　ب۔ اپنی قوم　ج۔ اپنے گھر والوں　د۔ اپنے دوستوں

۵۔ آپ ﷺ کے اخلاق کو قرآن کی مانند کس نے قرار دیا؟

الف۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا　ب۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا　ج۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا　د۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ آپ ﷺ اپنی رضاعی ماؤں کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے؟

۲۔ آپ ﷺ کے بیٹے اور بیٹیوں کے نام کیا ہیں؟

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں کس پر بہت رشک آتا تھا اور کیوں؟

۴۔ آپ ﷺ عورتوں میں سے کس کس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے؟

۵۔ آپ ﷺ نے خواتین پر دست درازی کرنے والوں کے بارے میں کیا فرمایا؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ آپ ﷺ کے ازواج مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ آپ ﷺ کے خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک کا جائزہ پیش کریں۔

۳۔ ہم آپ ﷺ کے خواتین کے ساتھ حسنِ سلوک کے عملی اسوہ کو اپنی زندگیوں میں کیسے ڈھال سکتے ہیں؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- خواتین کے احترام، حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر مذاکرہ کریں۔
- سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلام میں خواتین کو دیے جانے والے احترام اور حقوق کی فہرست بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو خواتین کے احترام اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے مواقع سے آگاہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم بہ طور سر چشمۂ ہدایت
(اندازِ تربیت)

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے انداز تربیت سے آگاہ ہو کر اسے اپنی عملی زندگی میں اپنا سکیں۔

علم

- نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیاتِ طیّبہ سے اندازِ تربیت کی مثالیں جان سکیں۔
- رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرت طیبہ میں اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔

صلاحیت

- تربیت کے مختلف طریقوں کو سمجھ کر انھیں اپنا سکیں۔
- اُسوہ حسنہ کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے انداز تربیت کو سمجھ کر اسے اپنی عملی زندگی میں شامل کر سکیں۔
- نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے انداز تربیت کو روز مرّہ زندگی میں اپنا کر معاشرتی اصلاح و تربیت کا باعث بن سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اندازِ تربیت میں شفقت اور رحمت کا عنصر غالب رہتا تھا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کسی کو کوئی نامناسب حرکت کرتے بھی دیکھتے تھے تو فوراً نصیحت کرنے کے بجائے اُس کی راحت اور سہولت کا خیال فرماتے ہوئے نصیحت فرماتے تھے۔ اس نصیحت فرمانے کے عمل میں شفقت و رحمت کی رعایت فرماتے ہوئے بے جا سختی، طعن و تشنیع اور عزتِ نفس کو مجروح کرنے کے رویے سے کلی طور پر احتراز فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو معلّم انسانیّت بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تربیت فرماتے ہوئے فطری تقاضوں، انسانی نفسیات اور جذبات کی رعایت فرمایا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی تعلیم و تربیت کی صفت کے بارے میں فرمایا:

ترجمہ: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: 229)

لوگوں کی ذہنی سطح اور مزاج کی رعایت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تعلیم و تربیت میں حکمت و فراست، لوگوں کی ذہنی سطح اور معیار کا خیال اور مزاج و مذاق کی رعایت کے بھرپور نمونے ملتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ مناسب وقت پر مناسب طریقے سے اس انداز میں تربیت کی جائے کہ اسے صدق دل سے قبول کر لیا جائے اور سامنے والا شخص سبکی محسوس نہ کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تربیت میں مذکورہ پہلوؤں کا بھرپور خیال فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مخاطب کے فہم و عقل کے مطابق جواب دیا کرتے تھے۔ ایک بار ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ان کے بچے کی رنگت ان پر نہیں گئی، اور وہ اسے اپنا بچہ ماننے سے انکار کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان سے

پوچھا: تمھارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے ان کی رنگت پوچھی، پھر استفسار کیا کہ کیا کوئی مختلف رنگت کا بھی ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! تو فرمایا: بتاؤ یہ کیسے ہو گیا کہ سرخ اونٹوں میں سیاہی آگئی؟ انھوں نے اپنے تجربے سے بتایا: ممکن ہے اس کے نسب میں کوئی اونٹ سیاہ رنگ کا ہو! چناں چہ اس بہترین سوال وجواب پر مشتمل مکالمے سے آپ ﷺ نے ان کے شُبہے کو دور فرما دیا۔

نرمی اور شفقت

آپ ﷺ کے تربیت کے اسلوب میں نرمی اور شفقت کا عنصر غالب رہتا تھا۔ آپ ﷺ بتدریج تبلیغ اور تربیت فرمایا کرتے تھے اور جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب انھیں یمن کی طرف بھیجا، تو انہیں اسی کی نصیحت فرمائی:

ترجمہ: معاذ! تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، تم پہلے انھیں توحید کی دعوت دینا، جب وہ کلمہ پڑھ لیں تو بتانا کہ دن اور رات میں اللہ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ یہ بھی مان لیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر فقراء میں تقسیم کی جاتی ہے۔ (مسند احمد: 2071)

وفود کو دین کی تعلیم دیتے ہوئے بھی نبی کریم ﷺ نرمی، شفقت اور بتدریج تربیت کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی نرمی اور شفقت کی اسی خصوصیت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرما کر کامیابی کا سبب قرار دیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران: 159)

ترجمہ: تو (اے نبی ﷺ) یہ اللہ کی طرف سے رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں بڑے نرم ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

اگر کسی سے کوئی غلطی یا کوتاہی ہو جاتی تو آپ ﷺ بہت اپنائیت اور شفقت سے سمجھایا کرتے تھے اور اس غلطی کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے تاکہ اصلاح بھی ہو جائے اور غلطی کرنے والے کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں۔ چناں چہ جب دورانِ نماز ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو چھینک آئی تو دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھنے کے بعد نہ مجھے ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا، بس محبت سے اتنا فرمایا: دیکھو اس نماز میں عام بات کرنا مناسب معلوم نہیں ہے، یہ تو اللہ کی تسبیح و تحمید اور قرآن کی تلاوت کا وقت ہے۔ (سنن ابو داؤد: 930)

آپ ﷺ کا یہی محبت والفت اور شفقت سے بات سمجھانے کا اسوہ لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیتا تھا اور وہ آپ کے حکم پر جاں دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ بعض اوقات فوراً تنبیہ کے بجائے اصلاح کے لیے مناسب موقع محل کا انتظار فرماتے اور کبھی مجمع عام میں بغیر مخاطب کیے یوں فرمایا کرتے تھے:

مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَكَذَا (سنن ابو داؤد: 4788)

ترجمہ: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا ایسا کہہ رہے ہیں!

تربیتِ نبوی کے اس منہج کا فائدہ یہ ہوتا کہ سب کے سامنے اصلاح بھی ہو جاتی اور کسی کے جذبات بھی مجروح نہ ہوتے۔

آپ ﷺ گفتگو میں مخاطب کے لب و لہجے، زبان اور محاورات کا بھی اہتمام فرمایا کرتے تھے، اہلِ یمن کا لہجہ اہلِ حجاز سے قدرے مختلف تھا۔ چناں چہ آپ ﷺ بعض مرتبہ اہلِ یمن سے مخاطب ہوتے ہوئے ان ہی کے مخصوص لہجے میں گفتگو فرماتے۔ آپ ﷺ وعظ و نصیحت بھی اسی قدر فرمایا کرتے تھے کہ دل اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔ نبی کریم ﷺ کا اعجاز تھا کہ آپ بڑی بڑی باتوں کو مختصر جملوں میں بیان کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ بھی تھی کہ اہم بات کو دو تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے تاکہ سب کو سمجھ آ جائے۔

اہلِ بیت کی تربیت

آپ ﷺ اہلِ بیت کی تربیت کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ اپنی بیٹیوں، نواسوں، نواسیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شفقت و محبت سے تربیت فرماتے رہتے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ کی اس تربیت سے مستفید ہونے کے غیر معمولی مواقع ملتے رہے۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی تربیت فرمانے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا جس کے نتیجے میں یہ خانوادہ امت مسلمہ کے لیے اسوہ نبوی کا عملی نمونہ بن گیا۔ اسی تربیت کے پیشِ نظر ایک موقعے پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گھر کے کام کاج اور پانی بھر کر لانے کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کی خدمت میں غلام طلب کرنے کی درخواست کرنے بھیجا تو آپ ﷺ نے غلام دینے کے بجائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات کو سوتے ہوئے 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری: 5362) کیونکہ اس وقت غلام دینا ممکن نہیں تھا۔ البتہ جب غلام دستیاب ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی دیگر لوگوں کی طرح اُن کے حصے کے مطابق غلام دے دیا گیا۔ اسی طرح ایک موقع پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے بچپن میں صدقے کی کھجور منہ میں ڈال لی تو آپ ﷺ نے اُن کو فوراً وہ کھجور منہ سے نکالنے کی ہدایت فرمائی اور تربیت فرماتے ہوئے یہ فرمایا: ہم (آلِ محمد ﷺ) صدقہ نہیں کھاتے۔ (صحیح بخاری: 1491)

مثالوں سے وضاحت

الغرض نبی کریم ﷺ کا اندازِ تفہیم اور اسلوبِ تربیت انتہائی حکیمانہ تھا، کبھی آپ ﷺ زمین پر لکیریں ڈال کر مخاطب کو سمجھاتے، کبھی جسم کے مختلف اعضاء سے اشارہ فرما کر، کبھی ارد گرد سے مثال دے کر تو کبھی اشارے کنائے میں، ہی بات ذکر فرما دیتے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کا گزر ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بکرے کے بچہ کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ قریب گئے اور اسے کان سے پکڑ کر فرمایا: تم میں سے کون اس مردہ بچے کو ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ہم اسے کسی بھی قیمت پر نہیں لینا چاہتے کہ یہ کسی کام کا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: بغیر قیمت کے کوئی لینا چاہے گا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ اگر زندہ ہوتا تب بھی اس میں عیب تھا، اب تو یہ مردہ ہے، اسے کون لینا چاہے گا؟ اب نبی کریم ﷺ ان کی توجہ جس بات کی طرف دلانا چاہ رہے تھے وہ ذکر کی، فرمایا: اللہ کی قسم! یہ بچہ تمھاری نظر میں جتنا بے وقعت ہے، دنیا اللہ کی نظر میں اس سے کہیں زیادہ بے وقعت ہے۔ (صحیح مسلم: 7418)

آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال سے باخبر رہتے اور خیر کے کاموں میں ان کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کے اسلوبِ تربیت کو سیکھنے، سمجھنے اور اپنی عملی زندگی کے اندر ڈھالنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم بھی اپنی زندگی کے اندر آپ ﷺ کی صفاتِ حسنہ کو اپنا کر ایک مثالی مسلمان بن سکیں اور معاشرے کے اندر خیر اور برکت کا ذریعہ بن سکیں۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ آپ ﷺ بعض اوقات اپنی بات دُہراتے تھے:

الف۔ دو مرتبہ　　ب۔ تین مرتبہ　　ج۔ چار مرتبہ　　د۔ پانچ مرتبہ

۲۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غلام کے بجائے کیا تحفہ عنایت فرمایا:

الف۔ نماز　　ب۔ روزہ　　ج۔ تلاوت　　د۔ تسبیحات

۳۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی:

الف۔ عبادت کی　　ب۔ تلاوت کی　　ج۔ تہجد کی۔　　د۔ تدریج کی

۴۔ آپ ﷺ نے دنیا کی بے وقعتی کو تشبیہ دی:

الف۔ مردہ گائے سے　　ب۔ بکری کے مردہ بچے سے　　ج۔ مردہ اونٹ سے　　د۔ مردہ پرندے سے

۵۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو تبلیغ کے حوالے جو نصیحت فرمائی اس میں کیا حکمت پوشیدہ تھی؟

الف۔ آسانی کی　　ب۔ تدریج کی　　ج۔ نرمی کی　　د۔ تکرار کی

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ نبی کریم ﷺ کے بات دہرانے کے پیش نظر کیا وجہ ہوتی؟

۲۔ مخاطب کی فہم کے مطابق اس سے بات کرنا کیوں ضروری ہے؟

۳۔ تنبیہ کرنے کے لیے مربّی کو کون سا اسلوب اختیار کرنا چاہیے؟

۴۔ تربیت میں ڈانٹ ڈپٹ سے کیا منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟

۵۔ آپ ﷺ مجمع عام میں تربیت کیسے فرماتے تھے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ آپ ﷺ کے اندازِ تربیت پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ آپ ﷺ کے اندازِ تربیت کے اسلوب کے نمایاں پہلوؤں کو بیان کریں۔

۳۔ آپ ﷺ کے انداز تربیت کے اسوہ پر کیسے عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- قرآن وسنّت میں مثالوں کے ذریعے بات واضح کرنے کا اسلوب بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔ چند مثالوں کو ڈھونڈ کر تحریر فرمائیں۔
- نبی کریم ﷺ نے لکڑی کی مدد سے زمین پر خانے بنا کر صحابہ کو کیا بات واضح کی، کتب حدیث سے پورا واقعہ ڈھونڈ کر تحریر کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ نبی کریم ﷺ کے انداز تربیت کی خوبیوں پر مذاکرہ کریں۔
- مثالی تربیت کے اہم عناصر مثلاً خیر خواہی، شفقت و محبت اور باہمی احترام سے متعلق مذاکرہ کروایا جائے۔

باب چہارم

اخلاق و آداب

اخلاص و تقویٰ

حاصلاتِ تعلم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- اخلاص و تقویٰ کے معنی و مفہوم کو جان سکیں۔
- قرآن و سنت کی روشنی میں اخلاص و تقویٰ کی اہمیت و فضیلت کو سمجھ سکیں۔
- سیرتِ نبوی ﷺ سے اخلاص و تقویٰ کی مثالیں سمجھ سکیں۔
- اخلاص و تقویٰ اختیار نہ کرنے کے دنیاوی و اخروی نقصانات کا جائزہ لے سکیں۔
- عملی زندگی میں اخلاص و تقویٰ کے معاشرتی فوائد و ثمرات کی اہمیت کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- سیرتِ نبوی ﷺ سے اخلاص و تقویٰ کی مثالوں سے سبق حاصل کر سکیں۔
- عملی زندگی کے معاملات میں اخلاص و تقویٰ کا مظاہرہ کر سکیں۔
- اخلاص و تقویٰ کو اپنا کر اور ایک مثالی مسلمان بن کر اپنی دنیا و آخرت بہتر بنا سکیں۔

اخلاص کا معنی و مفہوم

اخلاص کے لفظی معنی کسی چیز کی آمیزش سے دوسری چیز کو چھانٹ کر الگ کر دینے کے ہیں۔ اخلاص کے اصطلاحی معنی: دینی یا دنیوی عمل میں بے لوث، نیک نیت، پُر خلوص اور ذاتی غرض یا لالچ سے پاک و صاف ہونا مراد ہے۔ اخلاص ہی وہ گوہر ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال شرف قبولیت حاصل کرتے ہیں۔

تقویٰ کا معنی و مفہوم

تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی: ڈرنا، بچانا، دور رکھنا وغیرہ ہیں۔ عام طور پر تقویٰ سے پرہیز گاری مراد لیا جاتا ہے، جبکہ تقویٰ کا اصطلاحی معنی اپنے آپ کو گناہوں سے بچانا اور برے کاموں سے دور رکھنا ہے۔

قرآن و سنّت کی روشنی میں اخلاص و تقویٰ کی اہمیت و فضیلت

اخلاص تمام اعمال کی روح ہے، یعنی اخلاص عبادات و اعمال میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ پس ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام اعمال و عبادات کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے جس میں دکھاوے کا شائبہ تک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (الانعام: ۱۶۲)

ترجمہ: (اے نبی!) کہہ دیجیے! بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہی ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

> إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى أَجْسَادِكُمْ، وَلَا إِلٰى صُوَرِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ (صحیح مسلم: 2564)
> خدا نہ تمھارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ تمھاری صورتوں کو بلکہ وہ تمھارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اعمال و عبادات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے ہیں چاہے وہ نماز ہو یا قربانی، حیات ہو یا موت ہو۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہو گی۔ (صحیح البخاری: 1)

عمل کی نیت اس کی قدر و قیمت کا تعین کرتی ہے اور کسی کام کی سب سے اعلیٰ ترین قدر و قیمت یہ ہے کہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیا جائے۔

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورہ بقرۃ کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کو متقین کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے اور متقین کی صف میں وہ افراد شامل بتائے گئے ہیں، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل کی گئی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا ایمان، تقویٰ کا مقدمہ ہے اور ایمان لائے بغیر تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔ تقویٰ کی فضیلت کے حوالے سے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: 13)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہو۔

اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔

(مسند احمد: 23489)

حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ اپنے اوپر عائد تمام ذمہ داریاں پورا کرتے اور اپنے معاشرتی روابط قائم رکھتے ہوئے، برائیوں سے دور رہا جائے، کیونکہ جو کام بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انجام دیا جائے وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔

سیرتِ نبوی ﷺ اور اخلاص و تقویٰ

رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اخلاص اور تقویٰ کا بہترین نمونہ تھی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: آپ فرما دیجیے: (اے لوگو!) میں تم سے اس (ہدایت کی فراہمی) پر کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو صرف جہان والوں کے لیے نصیحت ہے۔ (سورہ انعام: ۹۰)

نبی کریم ﷺ نے رسالت کو الٰہی ذمہ داری سمجھ کر فقط اس کی رضا اور قرب حاصل کرنے کے لیے انجام دیا۔ آپ ﷺ کا یہ اسوہ حسنہ ہمارے لیے نمونہ بھی ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے افکار اور افعال کو خلوص نیت سے صرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انجام دیں۔

> وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا (الدھر: 9,8)
>
> ترجمہ: اور وہ اس کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں) بے شک ہم تمھیں اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔

اسی طرح ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ راتوں کو اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کے لیے خضوع و خشوع کے ساتھ اتنا قیام کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے پاؤں میں ورم پڑ جاتے تھے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ﴿۳﴾ (المزمل: ۲،۳)

ترجمہ: (اے پیغمبر ﷺ) رات کو قیام کیجیے مگر کم۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے۔

اس اُسوہ رسول ﷺ سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ یہ اخلاص نیت انسان کو اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

اخلاص و تقویٰ اختیار نہ کرنے کے دنیاوی و اُخروی نقصانات

اپنے کاموں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے بجائے اپنے کسی شخصی یا دنیاوی مفاد کی خاطر انجام دینا نا صرف اس کام یا فعل کی قدر و قیمت گھٹا دیتا ہے بلکہ اس سے آہستہ آہستہ معاشرے میں ایک ایسی دوڑ کا آغاز ہو جاتا ہے جہاں اخلاقی اقدار اور اللہ تعالیٰ کے قوانین کا خیال رکھے بغیر دوسرے کو نیچا دکھانے اور خود آگے نکل جانے کی سوچ جڑ پکڑ لیتی ہے۔ نتیجتاً تعلیم و تربیت سے لے کر زندگی کے تمام اعمال تک انسان کی ترجیح بدل جاتی ہے اور وہ اپنی حقیقی سعادت کے حصول کے بجائے، وقتی فوائد کو اپنے اعمال کی بنیاد بنا لیتا ہے۔ لہٰذا انسان عقیدہ اور عمل میں اختلاف کے باعث نفسیاتی طور پر پریشانی کا شکار بھی رہتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں ختم نہ ہونے والے فسادات جڑ پکڑ لیتے ہیں اور انسانیت تباہی و بربادی کے کنارے تک پہنچ جاتی ہے۔

> جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اور جو اللہ کی (نافرمانی) سے ڈرتا ہے وہ اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا کوئی راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق:3,2)

اخلاص و تقویٰ اختیار نہ کرنے سے انسان ریاکاری کے ساتھ سستی و کاہلی کا شکار بن جاتا ہے جس کی وجہ اس کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور اس کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت اور بخشش سے دور ہو جاتا ہے، اسی طرح توبہ و استغفار کیے بغیر دنیا سے چلا جاتا ہے۔ وہ
اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مغضوب ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ جہنم کی صورت میں دائمی رسوائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عملی زندگی میں اخلاص و تقویٰ کے معاشرتی فوائد و ثمرات کی اہمیت

اپنے اعمال اور افعال اللہ تعالیٰ کی خاطر انجام دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنے سے انسان اپنے حقیقی کمال کو بھی حاصل کر رہا ہوتا ہے۔ اگر اخلاص و تقویٰ کی صفات معاشرے میں عام ہو جائیں تو ایک عمومی سازگار ماحول کے ساتھ ساتھ باہمی اعتماد اور اخلاص کی ایک ایسی فضا پیدا ہو جاتی ہے جہاں ہر شخص اپنے افعال کا خود نگران ہوتا ہے۔ جس طرح بدن پر لباس انسان کو سردی و گرمی اور دوسرے مختلف تکلیف دہ حالات سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح، اخلاص و تقویٰ انسان کے لیے ایک ایسے نظر نہ آنے والے لباس کی مانند ہیں، جو اس کو مختلف روحانی برائیوں سے بچاتے ہیں۔ یہ روحانی لباس اگر تقویت حاصل کر لے تو اس زرہ کی مانند ہو جاتا ہے، جو انسان کو روزمرہ زندگی میں پیش آنے مختلف مضر اور خطرناک اثرات سے محفوظ رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ تقویٰ ذاتی زندگی سے نکل کر کئی شکلیں اختیار کر لیتا ہے جسے ہم تقویٰ اجتماعی، تقویٰ سیاسی، تقویٰ اقتصادی کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔ تقویٰ کی ایسی اجتماعی شکل معاشرے کی بہت سی مشکلات کو نہ صرف بغیر کسی دقت کے حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ معاشرے کے لیے خیر و خوبی اور برکت کا سبب بھی بنتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اخلاص و تقوی کو اختیار کریں اور معاشرے و انسانیت کے کام آئیں۔ اسی طرح تمام کام اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے خضوع و خشوع کے ساتھ انجام دیں تاکہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں حاصل کر سکیں۔ اس کے ساتھ ریاکاری اور دکھاوے سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے بچائیں۔

مشق

سوال نمبر ا۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

ا۔ اخلاص و تقویٰ اختیار نہ کرنے سے انسان کے ساتھ سستی و کاہلی کا شکار بن جاتا ہے۔

الف۔ گناہ ب۔ ریاکاری ج۔ شرک د۔ کفر

۲۔ کس عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں:

الف۔ عبادت ب۔ نیکی ج۔ تقویٰ د۔ حسن اخلاق

۳۔ حدیث کی روشنی میں اعمال کا دارومدار ہے۔

الف۔ اخلاص پر ب۔ تقویٰ پر ج۔ نیت پر د۔ صداقت پر

۴۔ حدیث کی روشنی میں فضیلت کا معیار ہے

الف۔ اخلاص ب۔ تقویٰ ج۔ صداقت د۔ حُسنِ اخلاق

۵۔ تمام اعمال کی روح ہے۔

الف۔ اخلاص ب۔ تقویٰ ج۔ قربانی د۔ استقامت

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں:

ا۔ اخلاص و تقویٰ کا مفہوم بیان کریں۔

۲۔ اعمال کا دارومدار نیت پر کیوں ہے؟

۳۔ اخلاص کے تین فوائد تحریر کریں؟

۴۔ سورہ الدہر میں کن ہستیوں کا اخلاص بیان کیا گیا ہے؟

۵۔ تقویٰ کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

ا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اخلاص کی اہمیت و فضیلت بیان کریں۔

۲۔ تقویٰ کی اہمیت و فضیلت بیان کریں۔

۳۔ سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اخلاص و تقویٰ بیان کریں۔

۴۔ عملی زندگی میں اخلاص و تقویٰ کے معاشرتی فوائد و ثمرات کی اہمیت واضح کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ سے اخلاص و تقویٰ کے چند واقعات سنائیں جو سبق میں شامل نہ ہوں۔
- سیرتِ رسول ﷺ سے اخلاص و تقویٰ کی مثالیں تلاش کریں اور جماعت کے کمرے میں آویزاں کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو سورہ الدہر کی روشنی میں اخلاص و تقویٰ کے واقعات اور ان کے فوائد بتائیں۔

پردہ پوشی

حاصلاتِ تعلم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- پردہ پوشی کے معنی و مفہوم کو جان سکیں۔
- قرآن و سنّت کی روشنی میں پردہ پوشی کی اہمیت و فضیلت کو سمجھ سکیں۔
- نبی کریم ﷺ کے اُسوہ حسنہ اور سیرتِ اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روشنی میں پردہ پوشی کی مثالیں جان سکیں۔
- پردہ پوشی کی صفت کو اختیار نہ کرنے کے دنیاوی و اخروی نقصانات کا جائزہ لے سکیں۔
- روزمرہ زندگی میں دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کے معاشرتی فوائد و ثمرات کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- سیرتِ نبی ﷺ سے پردہ پوشی کی مثالوں سے سبق حاصل کر کے عملی زندگی میں پردہ پوشی کرنے والے بن سکیں۔
- روز مرّہ زندگی میں دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کر کے معاشرے کو امن و آشتی کا گہوارہ بنا سکیں۔

پردہ پوشی کا معنی اور مفہوم

پردہ پوشی کے لفظی معنی ہے پردہ داری، عیب پوشی، رازداری، عیوب چھپانا، غلطیوں اور عیوب پر نظر نہ ڈالنا۔ پردہ پوشی سے مراد کسی کے عیوب، نقائص یا رازوں وغیرہ کو چھپانا ہے۔ پردہ پوشی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ایک مسلمان اور مومن کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اپنے اندر پیدا کرے۔

قرآن و سنّت میں پردہ پوشی کی اہمیت

ہر نقص اور عیب سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے، پس فی زمانہ انسانوں میں ہر نقص اور عیب سے پاک شخص کو تلاش کرنا بہت مشکل کام ہے، کیونکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خامی، نقص اور عیب ضرور پایا جاتا ہے۔ ہمیں دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات:12)

ترجمہ: اے ایمان والو! بدگمانی سے بہت زیادہ بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ (کسی کے متعلق) جاسوسی کرو۔

اس آیت کریمہ میں واضح حکم ہے کہ کسی کے متعلق بدگمانی کرنا اور ان کے عیوب کو تلاش کرنے کے لیے جاسوسی کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی سورہ ہمزہ میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (ہمزہ:1)

ترجمہ: ہر ایسے شخص کے لیے ہلاکت ہے جو (آمنے سامنے) طعنہ دینے والا (اور پیٹھ پیچھے) عیب نکالنے والا ہو۔

پس وہ شخص تباہ و برباد ہو گیا، ہلاک ہو گیا جو لوگوں کے عیوب کو آشکار کرتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، مسخرہ پن کرنا وغیرہ بھی اسی زمرہ میں آتے ہیں جس سے قرآن مجید میں سختی سے روکا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> **مزید جانیے**
> إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ، أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ (سنن ابو داؤد: ۴۸۸۸)
> اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے، تو تم ان میں فساد پیدا کر دو گے یا فساد کے قریب کے حالات پیدا کر دو گے۔

ترجمہ: اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (مذاق اُڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے کہ وہ اِن (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دیا کرو اور ایک دوسرے کو بُرے القاب کے ساتھ نہ پکارو ایمان کے بعد فسق بہت بُرا نام ہے اور جو لوگ (اس روش سے) توبہ نہ کریں تو وہی ظالم ہیں۔ (الحجرات: 11)

قرآن مجید کی اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے عیب نکالنا، دوسروں کا مذاق اڑانا بہت بری بات ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

ترجمہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 2546)

پس دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا لازمی ہے تاکہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کے امیدوار بن سکیں۔

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

> **مزید جانیے**
> يَا أَيُّهَا النَّاسُ طُوبَى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ (نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۳، ص ۳۹۱)
> اے لوگو، وہ شخص بہت خوش نصیب ہے، جو دوسروں کے عیبوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور اپنے عیبوں کو دیکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ستار العیوب ہے جو اپنے بندوں کے کئی ایسے گناہوں اور عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کے سامنے عیاں ہو جائیں تو وہ لوگوں کے سامنے رسوا ہو جائیں۔ اسی طرح ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتے تھے یہاں تک کہ منافقین کو نام کے ساتھ جاننے کے باوجود ان کا نام ذکر نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر انسان دوسروں کے عیوب کو چھپائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے:

جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 2544)

اس حدیث میں ہے کہ مسلمان کی پردہ پوشی کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص کسی مومن کے عیوب پر پردہ ڈالے جس سے وہ ڈرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے ستر عیبوں پر پردہ ڈال دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کیا کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے وقت جب منافقین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھائی میں گرا کر شہید کرنا چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقین کو پہچان لیا اور حضرت

حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما کو منع فرمایا کہ ان کے نام کسی کو نہیں بتانا اور انھوں نے مرتے دم تک ان منافقین کے نام کسی کو نہیں بتائے تھے۔ (مسند احمد حدیث: ۹۲ ۲۳۷۲) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام انسانوں کی یہاں تک کہ ان منافقین کی بھی پردہ پوشی کی جنھوں نے نبی کریم ﷺ کو شہید کرنے کی گھناؤنی سازش کی تھی۔

حضرت دخین کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عقبہ بن عامر عقبہ رضی اللہ عنہما سے کہا ہمارے چند پڑوسی شراب پیتے ہیں۔ میں نے اُن کو منع کیا لیکن وہ نہیں رُکے۔ اب میں اُن کے لیے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو (ایسا نہ کرو) جب میں نے دوبارہ اصرار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی عیب کو دیکھا اور اس کو چھپالیا تو یہ ایسے ہے جیسا کہ اُس نے زندہ در گور لڑکی کو بچالیا۔

پس مومن کی پردہ پوشی کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی پردہ پوشی کرتا ہے اور اگر کوئی کسی کا راز فاش کرتا ہے پردہ پوشی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو ذلیل و رسوا کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنے گھر کے اندر بھی ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔

پردہ پوشی اختیار نہ کرنے کے نقصانات

انسان کی شخصیت کے لیے ایک چیز جو سخت نقصان دہ ہے، وہ اُس کی عیب جوئی کی عادت ہے۔ عیب نکالنا در اصل اپنی شخصیت کی کمزوری کا اظہار کرنا ہے۔ اگر لوگوں کے عیب ظاہر ہونا شروع ہو جائیں تو انفرادی و اجتماعی اصلاح مشکل ہو جائے گی، لوگ ایک دوسرے سے متنفر ہو جائیں گے اور کسی کی بات اثر نہیں کرے گی۔ انسانی معاشرہ میں فساد برپا ہو گا اور انسانیت رسوا ہو گی۔

اسی طرح دوسروں کی پردہ دری کرنے والا انسان دنیا و آخرت میں ذلیل رسوا ہو گا۔ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کا پردہ فاش کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش کرے گا حتیٰ کہ اسے اس کے گھر کے اندر رسوا کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 2079)

پس دوسروں کی پردہ دری کرنے والا اپنے گھر اور معاشرہ میں رسوا ہونے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی ذلیل و رسوا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں اور جہنم اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

پردہ پوشی کرنے کے معاشرتی فوائد

ایک ایسا معاشرہ جس میں پردہ پوشی کی عادت ہو، وہاں لوگوں کے درمیان اعتماد کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کے راز، عیب اور نقائص چھپاتے ہیں اور اصلاح آسان ہوتی ہے۔ دوسروں کے عیوب اور نقائص چھپانے والا شخص حقیقت میں سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایک طرف وہ دوسرے افراد کا اعتبار جیت لیتا ہے اور اُن کی نظر میں محترم ہو جاتا ہے۔ اِس احترام کی وجہ سے لوگوں کی اصلاح کرنا آسان ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے عیوب کی جانب متوجہ ہو سکتا ہے، اپنی کمزوریوں سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اُنھیں دور کرنے میں وقت صرف کر سکتا ہے۔ ایک عاقل انسان دوسروں کے عیب نکالنے کے بجائے اپنے عیبوں کی طرف نگاہ کرتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ممکن ہے کہ جو چیز ہماری نظر میں عیب ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں عیب نہ ہو۔

کسی مسلمان اور مومن بھائی کی پردہ پوشی سے مراد یہ ہے کہ اُس کے عیب، کمزوریوں اور نقائص کو چھپایا جائے تاکہ لوگ اُس کے عیب سے اُسے شناخت نہ کریں اور وہ کسی پریشانی کے بغیر اپنے معاملات چلا سکے، لہٰذا پردہ پوشی اِس نیک نیتی کی بنا پر ہونی چاہیے تاکہ اصلاح ہو سکے۔ کسی کے رنگ، نسل، زبان، جغرافیہ کو عیب بنا کر پیش نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس کی بنیاد پر دوسروں کے ساتھ امتیازی سلوک کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دوسروں کے رازوں کی حفاظت اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا:

الف۔ دنیا میں　ب۔ آخرت میں　ج۔ قبر میں　د۔ جنت میں

۲۔ اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑو گے، تو تم ان میں پیدا کر دو گے۔

الف۔ فساد　ب۔ اختلاف　ج۔ جھگڑا　د۔ دشمنی

۳۔ جو کسی مسلمان کا پردہ فاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا:

الف۔ گھر میں　ب۔ دنیا میں　ج۔ آخرت میں　د۔ قبر میں

۴۔ قرآن مجید میں دوسروں کا مذاق اڑانے سے ممانعت کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ممکن ہے۔

الف۔ وہ ان سے کمتر ہوں　ب۔ وہ ان سے بہتر ہوں　ج۔ وہ ان کے عزیز ہوں　د۔ وہ ان کے مددگار ہوں

۵۔ پردہ پوشی کرنا در حقیقت کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

الف۔ ملائکہ　ب۔ اللہ تعالیٰ　ج۔ نبی کریم ﷺ　د۔ مومن

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ پردہ پوشی کے معنی و مفہوم بیان کریں۔

۲۔ پردہ پوشی کے متعلق کسی ایک آیت کا ترجمہ تحریر کریں۔

۳۔ منافقوں کی پردہ پوشی کیوں کی گئی؟

۴۔ پردہ پوشی کے دو فوائد تحریر کریں۔

۵۔ مومن کی پردہ پوشی کیوں ضروری ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ پردہ پوشی کی قرآن کی روشنی میں ضرورت و اہمیت بیان کریں۔

۲۔ احادیث کی روشنی میں پردہ پوشی کی اہمیت بیان کریں۔

۳۔ آپ پردہ پوشی کے ذریعے کس طرح اپنے معاشرہ کو امن کا گہوارا بنا سکتے ہیں؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- پردہ پوشی اختیار کرنے کے فوائد اور اختیار نہ کرنے کے نقصانات کی فہرست بنائیں۔
- اسلامی تاریخ سے پردہ وشی کے واقعات جماعت کے کمرے میں سنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- رسول اللہ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ میں پردہ پوشی سے سبق حاصل کرتے ہوئے سوشل میڈیا پر کردار کشی کرنے کے نقصانات پر مذاکرہ کرائیں۔
- پردہ پوشی اختیار نہ کرنے کے نقصانات کے واقعات جماعت میں بیان کریں۔

جھوٹ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- جھوٹ کے معنی و مفہوم اور مختلف صورتوں کے متعلق جان سکیں۔
- قرآن و سنّت کی روشنی میں جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی اہمیت و فضیلت کو سمجھ سکیں۔
- سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرتِ اہلِ بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی مثالیں جان سکیں۔
- جھوٹ کے دنیاوی و اخروی نقصانات کا جائزہ لے سکیں۔
- روز مرّہ زندگی میں سچ بولنے اور سچائی کا ساتھ دینے کے معاشرتی فوائد و ثمرات کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرتِ اہلِ بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی مثالیں جان کر اپنے قول و فعل کا جائزہ لے سکیں۔
- "سچ بولیں اور سچوں کا ساتھ دیں" کے نعرے کو معاشرے میں پروان چڑھائیں۔

جھوٹ کا معنی و مفہوم اور مختلف صورتیں

جھوٹ اخلاقی برائیوں میں سے ایک ہے، اردو لغت میں اس کے معنی کسی واقعے یا حقیقت کے خلاف بات یا بیان کرنا ہے۔ جھوٹ کے لیے غلط بیانی اور دروغ گوئی کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ جھوٹ، سچ کی ضد ہے۔ سچائی جتنی پسندیدہ چیز ہے، جھوٹ اتنا ہی ناپسندیدہ ہے۔ جھوٹ اگر عداوت و حسد کی بنا پر ہو تو خطرناک غصہ کا نتیجہ ہے اور اگر طمع، لالچ یا عادت کی بنا پر ہو تو انسان کے اندر بھڑکتے ہوئے جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جھوٹ اخلاقی برائیوں میں سے ایک خطرناک برائی ہے، جس کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ جھوٹ کو حدیث میں تمام برائیوں کی جڑ بھی قرار دیا گیا ہے۔

> **فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**
> جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بدبو سے ایک میل دور بھاگتا ہے۔(سنن ترمذی: 1972)

قرآن و سنت کی روشنی میں جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی اہمیت و فضیلت

قرآن کریم میں جھوٹ بولنے والوں کی شدید مذمت کی گئی ہے اور صریحی طور پر جھوٹ بولنے والے کو بے ایمان قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (النحل : 105)

ترجمہ: جھوٹ صرف وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ ایمان والے جھوٹ نہیں بولتے کیونکہ جھوٹے اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ انسان سچ کو اختیار کرے تاکہ اس کا ایمان سلامت رہے اور اگر جھوٹ کو ترک نہیں کرے گا تو دائمی رسوائی جہنم کی صورت میں ملے گی۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

> ترجمہ: تم پر سچ بولنا واجب ہے، اس لیے کہ سچ اعمال خیر کی طرف لے جاتا ہے، اور اعمال خیر جنت میں لے جاتے ہیں۔ جو شخص سچ بولتا ہے اور اس کی کوشش کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس صدیق لکھا جاتا ہے۔ خبر دار جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جھوٹ فسق و فجور کی طرف دعوت دیتا ہے اور فسق و فجور انسان کو جہنم میں دھکیل دیتے ہیں۔ جو انسان برابر جھوٹ بولتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: 2094، صحیح مسلم: 2607)

اسی طرح قرآن مجید میں جھوٹوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

> ترجمہ: ان کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو اللہ نے ان کا مرض اور بڑھا دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ (البقرہ: 10)

اس سے پتا چلتا ہے کہ جھوٹ بولنے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جھوٹ کی بدولت انسان میں منافقت کی بیماری آجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی جھوٹے کو ہدایت نہیں کرتا۔ جب انسان جھوٹ کو ترک کرتا ہے تو صادق بن جاتا ہے اور صادق بن جانے سے اس کے اندر نیکی اور اچھائی کا عنصر زیادہ ہو جاتا ہے اور انسان بااخلاق بن جاتا ہے۔

> حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جھوٹ میں بہتری نہیں ہے خواہ وہ سنجیدگی سے ہو یا مذاق میں۔ اپنے چھوٹے بچے سے بھی ایسا وعدہ نہیں کرنا چاہیے جسے پورا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ بے شک جھوٹ آدمی کو بے باکی سے بڑے بڑے گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور وہ بڑے بڑے گناہ آدمی کو جہنم میں پہنچا دیتے ہیں۔ (وسائل الشیعہ: جلد ۱۲، ص ۲۵۱)

سیرتِ نبی ﷺ اور سیرتِ اہلِ بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جھوٹ ایک بہت بڑا گناہ ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ایسا کون سا عمل ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو جہنمی بنا دیتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> ترجمہ: وہ جھوٹ ہے۔ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو ہر گناہ کے سلسلے میں بے باک ہو جاتا ہے، اور جب اتنا بڑھ جاتا ہے تو کفر کر بیٹھتا ہے اور جب کفر کر بیٹھتا ہے تو جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد: ۶۶۴۱، مستدرک الوسائل، جلد ۹، ص ۸۹)

جھوٹ بولنے کی وجہ سے انسان، ایمان کا ذائقہ چکھنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: کوئی بندہ ایمان کا ذائقہ اس وقت تک چکھنے سے محروم رہتا ہے جب تک وہ جھوٹ کو ترک نہ کرے، خواہ وہ جھوٹ مذاق میں ہو یا سنجیدگی کے ساتھ۔

حضرت عبد اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا ادھر آؤ، چیزیں دوں گی اور رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے میری والدہ سے دریافت فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ انھوں نے بتایا کہ میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے میری والدہ کہا: اگر تم کچھ نہ دیتیں تو تم پر ایک جھوٹ لکھ دیا جاتا۔ (سنن ابو داؤد: 4991)

جھوٹ گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی میں اس کا شائبہ تک نہیں تھا یہاں تک کہ کفار مکہ نے آپ ﷺ کو صادق اور امین کا لقب دیا تھا۔ اسی طرح آپ کے اہلِ بیتِ اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹ سے پرہیز کرتے تھے اور ہمیشہ سچ کو اختیار کرتے رہتے تھے۔ ایسی ہستیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (الفرقان:72)

ترجمہ: ''اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بے کار بات پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔''

جھوٹ کے دنیاوی و اخروی نقصانات

اگر گفتگو میں جھوٹ نمایاں ہو گیا تو جھوٹ بولنے والے کی عظمت و عزت برباد ہو جاتی ہے۔ جھوٹ انسان کی ناپاکی و خیانت کی روح کو تقویت دیتا ہے اور ایمان کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو خاموش کر دیتا ہے۔ جھوٹ رشتۂ الفت و اتحاد کو توڑ دیتا ہے اور معاشرہ میں عداوت و نفاق کے بیج بو دیتا ہے۔ گمراہیوں کا زیادہ تر حصہ جھوٹے دعووں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ برے لوگ اپنے فاسد مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی شیریں بیانی، جھوٹ سے سادہ لوح افراد کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں اور اپنی شیریں بیانی کی زنجیر میں اسیر کر لیتے ہیں۔ جھوٹ سے دنیا و آخرت دونوں برباد ہو جاتے ہیں کیونکہ جھوٹ کفر و نفاق اور فسق و فجور ہے۔ جھوٹ کی بدولت معاشرے میں اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے بدگمانی کرنے لگتے ہیں۔ جس طرح ایک فرد کی سطح پر جھوٹ کا نقصان خود فرد کو ہوتا ہے، معاشرے کی سطح پر جھوٹ کا نقصان معاشرے کو ہوتا ہے۔ جھوٹ کی وجہ سے انسان آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے ابدی رسوائی میں مبتلا ہو کر جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ جہاں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہنا پڑے گا۔

جھوٹ کے نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ بعض جھوٹ ایسے ہوتے ہیں جو دو قبیلوں اور دو قوموں کو آپس میں لڑوا دیتے ہیں۔ بعض جھوٹ ایسے ہوتے ہیں جو بے شمار جانوں اور ان گنت عصمتوں کو ضائع کر دیتے ہیں یا کم از کم مالی نقصان کا اور انسانی اصولوں کی پامالی کا سبب بنتے ہیں۔ بظاہر ایسے جھوٹ بدترین گناہ ہیں۔ بعض جھوٹی گواہیاں بے گناہ آدمیوں کو سولی پر چڑھا دیتی ہیں اور کئی گھرانے تباہ کر دیتی ہیں۔

روز مرّہ زندگی میں سچ بولنے اور سچائی کا ساتھ دینے کے معاشرتی فوائد و ثمرات

روز مرّہ زندگی میں سچ بولنے اور سچائی کا ساتھ دینے کے بہت معاشرتی فوائد و ثمرات ہیں، جیسا کہ سچائی کو دل کا اطمینان، نجات کا وسیلہ، حصول جنت کا سبب، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کا باعث اور مال میں برکت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ انسانی معاشرے کا امن و سکون، راحت و چین اور اس کی تعمیر و ترقی کی بنیاد صدق پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اس کو اپنانے کی بہت تاکید آئی ہے۔ قرآن و سنّت کی تعلیمات میں اس کی فضیلت اور ضرورت روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن مجید کے متعدد مقامات پر صدق و سچائی، سچ بولنے والے مرد و عورت کی فضیلت، صادقین کا مصداق، آخرت میں صادقین کے انعام و اکرام، ان کے مقام و مرتبہ، مخلوق میں مقبولیت اور سب سے بڑھ کر خالق کے ہاں ان کی محبوبیت کا تذکرہ موجود ہے۔ قرآن و سنت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدق کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہ صرف قول کی سچائی میں منحصر نہیں بلکہ قول کے ساتھ ساتھ فعل اور اعتقاد میں بھی سچائی کو شامل ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہم فقط اپنے ذاتی معاملات میں سچ بول کر نجات پا سکتے ہیں۔ انسان جس معاشرے میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے، اُس کے مشترکہ نفع و نقصانات میں حصہ دار ہوتا ہے۔ لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم جھوٹ سے پرہیز کریں اور سچ کے پھیلانے میں اپنا کردار ادا کریں۔ اگر ہم لکھنے والے ہیں، تو تحریر کے ذریعے سچ کو فروغ دیں۔ اگر میڈیا میں صحافی کا کردار ادا کر رہے ہیں تو سچ بیان کریں۔ معاشرے میں سچ بولنے کی ثقافت کو پھیلانے میں ہمیں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ انسان سچ کو اختیار کرے تاکہ اس کا سلامت رہے:

الف۔ عمل　　ب۔ ایمان　　ج۔ اخلاق　　د۔ وجود

۲۔ خبردار جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جھوٹ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

الف۔ شرک　　ب۔ فسق و فجور　　ج۔ نفاق　　د۔ کفر

۳۔ تمام برائیوں کی جڑ ہے:

الف۔ کفر　　ب۔ نفاق　　ج۔ جھوٹ　　د۔ شرک

۴۔ جو شخص سچ بولتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جاتا ہے۔

الف۔ ابرار　　ب۔ ابدال　　ج۔ صدیق　　د۔ صالح

۵۔ جھوٹ کی بدولت انسان میں بیماری آجاتی ہے۔

الف۔ شرک کی　　ج۔ کفر کی　　ج۔ ظلم کی　　د۔ منافقت کی

سوال نمبر ۲۔ **درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔**

۱۔ جھوٹ کے معنی و مفہوم بیان کریں۔

۲۔ جھوٹ سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟

۳۔ جھوٹ کو تمام برائیوں کی جڑ کیوں کہا گیا ہے؟

۴۔ سچ کیوں اختیار کیا جائے؟

۵۔ حدیث کی روشنی میں سچ اور جھوٹ میں فرق واضح کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ قرآن وسنّت کی روشنی میں جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی اہمیت وفضیلت کی وضاحت کریں۔

۲۔ جھوٹ کے انفرادی اور اجتماعی نقصانات تحریر کریں۔

۳۔ معاشرے میں سچائی کے فروغ کے لیے کیا کیا جانا چاہیے؟

سرگرمیاں برائے طلبہ

- گروپ کی صورت میں جھوٹ کے نقصانات کے بارے میں ایک مکالمہ کریں۔
- "سچ بولیں اور سچ کا ساتھ دیں" کے نعرے کو معاشرے میں عام کرنے کے طریق کار پر جماعت کے کمرے میں مباحثہ کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کی جھوٹ کی تباہ کاریوں اور سچ کی بلندیوں کے متعلق عملی تربیت کی جائے۔
- طلبہ کو سیرتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور سیرتِ اہلِ بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جھوٹ سے بچنے اور سچ کو اختیار کرنے کی مثالیں پیش کریں۔

غیبت اور بہتان

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم	صلاحیت
• غیبت اور بہتان کے معنی و مفہوم، اسباب، مختلف صورتیں اور غیبت اور بہتان کے درمیان فرق کو جان سکیں۔ • قرآن وسنّت کی روشنی میں غیبت اور بہتان سے بچنے کے طریقوں کو سمجھ سکیں۔ • غیبت اور بہتان کے دنیاوی و اخروی نقصانات سمجھ سکیں۔ • اس بات کا ادراک کر سکیں کہ غیبت اور بہتان باہمی تعلقات کی خرابی اور معاشرتی بگاڑ کی جڑ ہیں۔ • روز مرّہ زندگی میں غیبت اور بہتان سے بچنے کے معاشرتی فوائد و ثمرات کا جائزہ لے سکیں۔	• غیبت اور بہتان کے دنیوی و اخروی نقصانات کو جان کر ان سے اجتناب کرنے والے بن سکیں۔ • روز مرّہ معاملات میں غیبت اور بہتان سے بچتے ہوئے معاشرے کو ان رذائل سے پاک کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

غیبت اور بہتان کے معنی و مفہوم

غیبت عربی زبان کا لفظ ہے جو غَابَ یَغِیْبُ سے ماخوذ ہے۔ غیبت کے معنی ہیں: کسی کی غیر موجودگی میں برائی کرنا۔ علم اخلاق کی نگاہ میں، غیبت یہ ہے کہ اپنے دینی بھائی کی غیر موجودگی میں، اس کی وہ برائی بیان کرنا جو اس میں موجود ہو۔ اسی طرح بہتان کا معنی ہے: کسی کی طرف ایسی برائی یا گناہ کی نسبت دینا جو اس میں موجود نہ ہو۔ اگر کسی کی غیر موجودگی میں اس کی طرف کسی ایسی برائی یا گناہ کی نسبت دی جائے جو اس میں موجود ہی نہ ہو، یہ ایسا گناہ ہے کہ جسے تہمت کہا جاتا ہے۔ بہتان کا گناہ غیبت سے زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس میں غیبت اور جھوٹ دونوں کا امتزاج ہے اس طرح کہ اس میں دوسرے انسان کی برائی بھی بیان ہو رہی ہوتی ہے اور وہ غلط بیانی، جو جھوٹ ہے، بھی بیان ہو رہا ہوتا ہے۔

قرآن وسنّت کی روشنی میں غیبت اور بہتان

> اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (النور:19)

غیبت ایک معاشرتی برائی ہے جو ہمارے معاشرے میں ایک وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ ہم سب اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ یہ ایک بری چیز ہے اس سے بچنا چاہیے۔ ہمارے دین میں اس سے روکا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس گناہ کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: 12)

ترجمہ: اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو کیا تم میں سے کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے پس اس سے تو تم (انتہائی) نفرت کرتے ہو اور اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرو بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو زنا کے جرم میں سنگسار کیا تو اس دوران میں آپ ﷺ کے اصحاب میں سے دو اشخاص نے کہا کہ دیکھو اسے کتے کی طرح سنگسار کر دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں کی بات سن لی لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ ایک مردہ گدھے کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا: فلاں' فلاں کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا: ہم یہاں ہیں، یارسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا: آؤ اور اس مردار کو کھاؤ، انھوں نے کہا: یانبی اللہ! اس کو کون کھائے گا؟ آپ نے فرمایا: تم نے جو ابھی اپنے بھائی کی عزت پامال کی ہے وہ اس مردہ کو کھانے سے زیادہ سخت تھی۔

(سنن ابوداؤد: 4428)

غیبت میں مرتکب ہونے کے علاوہ، اس کو سننا بھی حرام ہے کیونکہ اس گناہ سے حقوق العباد پامال ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: تم اپنے بھائی کا وہ عیب بیان کرو جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہے کہا گیا: یہ بتائیں اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: اگر تم جو عیب بیان کر رہے ہو وہ عیب اس میں ہو جب ہی (تو) وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے۔ (یعنی اگر عیب موجود ہو تو غیبت ہے اور اگر موجود نہ ہو تو بہتان ہے)۔

(صحیح مسلم: 2589، سنن ابوداؤد: 4874)

اسی طرح بہتان بھی سنگین جرم ہے جس کی قرآن مجید میں سخت وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (ہمزہ: 1)

ترجمہ: ہر ایسے شخص کے لیے ہلاکت ہے جو (آمنے سامنے) طعنہ دینے والا (اور پیٹھ پیچھے) عیب نکالنے والا ہو۔

غیبت اور بہتان کے دنیاوی و اُخروی نقصانات

غیبت اور بہتان تراشی کرنے والے کی لوگوں کے درمیان رسوائی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ اِن سے انسانوں کے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کا نظم و نسق اور اجتماعی انصاف برباد ہو جاتا ہے۔ حق اور باطل آپس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں، بے گناہ افراد گرفتارِ بلا ہو جاتے ہیں، گنہگار افراد بچے رہتے ہیں اور باہمی اعتماد ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ غیبت کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی دشمنی ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ کا عذاب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو میرا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے جو اپنے چہرے اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔ (سنن ابواداؤد، حدیث ۴۸۷۸)

> کمزور کا یہی زور چلتا ہے کہ وہ پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ (نہج البلاغہ قول ۴۶۱)

غیبت اور بہتان باہمی تعلقات کی خرابی اور معاشرتی بگاڑ کی جڑ ہیں

غیبت اور بہتان دونوں ایسی برائیاں ہیں جن کی وجہ معاشرہ میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ جب کسی کی پردہ دری کی جاتی ہے تو پورا معاشرہ غیر محفوظ ہو جاتا ہے۔ معاشرہ کا امن و سکون برباد ہو جاتا ہے اور سماجی انصاف کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ برائیاں حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے کی طرف لے جاتی ہیں اور انسان کو بغیر کسی جرم کے مجرم بنا کر اس کی عزت و آبرو کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ اگر غیبت اور بہتان کا رواج عام ہو جائے تو معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا، کیونکہ حق باطل کے لباس میں اور باطل حق کے لباس میں نظر آئیں گے۔ وہ معاشرہ، جس میں غیبت اور تہمت کا رواج عام ہوگا اس میں حسن ظن کو سوئے ظن کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور لوگوں کا ایک دوسرے سے اعتماد اٹھ جائے گا اور معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جائے گا یعنی پھر ہر شخص کے اندر یہ جرات پیدا ہو جائے گی کہ وہ جس کے خلاف جو بھی چاہے گا زبان پر لائے گا اور اس پر جھوٹ، بہتان اور الزام لگا دے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ غیبت اور بہتان جیسی بدترین نفسیاتی بیماریوں سے خود کو محفوظ رکھے اور دوسروں کو بھی ایسے گناہ انجام دینے سے منع کریں ورنہ اگر یہ نفسیاتی بیماریاں معاشرے میں پھیل گئیں تو رفتہ رفتہ پورا معاشرہ برباد ہو جائے گا۔ پھر نہ کوئی کسی پر اعتماد کرے گا اور نہ ہی بھروسہ اور پھر ایک بدترین ماحول پیدا ہو جائے گا جس کی وجہ سے انسانیت کا وقار ختم ہو جائے گا اور برائی کا چلن عام ہو جائے گا۔

غیبت اور تہمت سے بچنے کے طریقے

علماء کرام نے اس گناہ کے ترک کرنے کے دو طریقے بتائے ہیں: ایک علمی ہے جیسے غیبت اور بہتان کی مذمت میں بیان ہونے والی آیات اور احادیث میں تعقل و تفکر کر کے، غیبت اور بہتان کی مذمت کرنا اور موت کی فکر کرنا وغیرہ۔

دوسرا عملی طریقہ یہ ہے کہ غیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کی تربیت کریں، زبان کو قابو میں رکھیں، نفس کا محاسبہ کریں، غیبت والی محفل کو چھوڑ دیں۔ ایسا کرنا اگرچہ مشکل ہے تاہم اس برائی سے بچنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

جس طرح غیبت کرنا اور بہتان تراشی کرنا حرام ہیں۔ ایسے ہی غیبت اور بہتان سننا بھی حرام ہے۔ غیبت سننے والا تمام گناہ میں برابر کا شریک ہے اس کا گناہ بھی معافی مانگے بغیر معاف نہیں ہوتا لہٰذا جس کی غیبت کی گئی ہے یا جس پر بہتان باندھا گیا ہے، ان سے فوراً معافی مانگی جائے اور آئندہ اپنے آپ کو اس گناہ سے محفوظ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس گھناؤنے گناہ سے ہمیں اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ غیبت کے معنی ہیں کسی کی ایسی بیان کرنا جو اس میں موجود ہو:

الف۔ اچھائی　　ب۔ برائی　　ج۔ جدوجہد　　د۔ روش

۲۔ کمزور کا یہی زور چلتا ہے کہ وہ پیٹھ پیچھے غیبت کرے:

الف۔ جھوٹ　　ب۔ غیبت　　ج۔ چوری　　د۔ ظلم

۳۔ غیبت کرنے والا گوشت کھاتا ہے:

الف۔ مردہ جانور کا　ب۔ مردہ بھائی کا　ج۔ مردہ مومن کا　د۔ مردہ کافر کا

۴۔ بہتان کے معنی ہیں:

الف۔ طعنہ دینا　ب۔ تہمت لگانا　ج۔ عیب لگانا　د۔ جھوٹ بولنا

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو غیبت کرنے والے مسلمانوں کو کس کا گوشت کھانے کا حکم دیا:

الف۔ مردہ گدھے کا　ب۔ مردہ اونٹ کا　ج۔ مردہ گھوڑے کا　د۔ مردہ خچر کا

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ غیبت کے معنی بیان کریں۔

۲۔ غیبت اور بہتان میں فرق واضح کریں۔

۳۔ غیبت اور بہتان کیوں حرام ہیں؟

۴۔ غیبت اور بہتان کے دو نقصانات بیان کریں؟

۵۔ غیبت کے متعلق ایک آیت اور اس کا ترجمہ تحریر کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ قرآن وسنت کی روشنی میں غیبت اور بہتان کی وضاحت کریں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے غیبت اور بہتان کی مثالیں پیش کریں۔

۳۔ غیبت اور بہتان کے دنیاوی اور اخروی نقصانات بیان کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- عملی زندگی سے مثالیں دیں کہ ہم کیونکر غیبت اور بہتان سے بچتے ہوئے خلوص اور خیر خواہی کا رویہ اپنا سکتے ہیں؟
- روز مرہ معاملات میں غیبت اور بہتان سے بچتے ہوئے معاشرے کو ان رذائل سے پاک کرنے کے لیے جماعت کے کمرے میں مباحثہ کریں

برائے اساتذہ کرام

- طلبہ کو غیبت اور بہتان کے علل و اسباب اور اس سے بچنے کے طریقے مثالوں سے واضح کریں۔

جادو، فال اور توہم پرستی

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی کے معنی و مفہوم سے آگاہ ہو سکیں۔
- قرآن وسنّت کی روشنی میں ستاروں کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی کے فتنوں کے بارے میں شرعی احکام جان سکیں۔
- جادو سیکھنے، سکھانے، کرنے اور کروانے کی ممانعت سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
- پرامید رہنے اور نیک شگون لینے کی اہمیت جان سکیں۔
- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی کے معاشرے پر ہونے والے نقصانات کا فہم حاصل کر سکیں۔
- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی کی مختلف صورتوں اور ان کے تدارک کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننا اور توہم پرستی کی اپنے معاشرے میں موجود مختلف صورتوں کی نشان دہی کر سکیں۔
- قرآن وسنّت کی روشنی میں جادو، ستاروں کے ذریعے قسمت کا حال جاننا اور توہم پرستی کی مذمت سے آگاہ ہو کر روز مرّہ زندگی میں اس سے اجتناب کریں۔

توہم اور بد شگونی کا معنی و مفہوم

وہم قلب کے تخیلات کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع اوہام ہے۔ ''توہم'' یعنی کسی چیز کا تخیل اور اس کا تصور کرنا، چاہے وہ حقیقت میں وجود رکھتی ہو یا نہیں۔ ''تَوَهُّم''، وہم سے نکلا ہے جس کے معنی وسوسہ کے ہیں یعنی دل کا قصداً کسی چیز کی طرف مائل ہو جانا۔ اسے خیال باطل، گمان، شک اور احتمال بھی کہتے ہیں۔ توہم پرست کو وہمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی فطری اور حسی دلیل کے بغیر اپنے خیال باطل سے ایک واقعہ یا حادثہ کو یقین کا درجہ دے دیتا ہے اور پھر اس کے مطابق عمل اختیار کر لیتا ہے۔

> پرندے اڑا کر فال نکالنا اور بد شگون لینا اور خط کھینچنا یہ سب شیطانی عمل ہیں۔
> (مسند احمد: ۱۵۹۱۵)

بد شگونی یا فال بد

بد شگونی یا فالِ بد کی اسلامی تعلیمات میں بہت شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (یٰسٓ:19)

ترجمہ: (رسولوں نے) فرمایا تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہے کیا یہ (نحوست) ہے کہ تمھیں نصیحت کی گئی؟ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں بیان ہوا ہے: ترجمہ: بد شگونی کرنا شرک ہے۔ (سنن ابو داؤد: 3910)

حضرت امام جعفر صادق ؒ سے مروی ہے کہ بد شگونی کا اثر اسی مقدار میں ہے جتنا تم اس کو قبول کرتے ہو، اگر اس کو کم اہمیت مانو گے تو اس کا اثر کم ہوگا اور اگر اس سلسلہ میں تم بہت معتقد ہو گئے تو اس کا اثر بھی اتنا ہی ہوگا، اور اگر اس کی بالکل پروا نہ کرو تو اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوگا۔ (الکافی، جلد ۸، ص ۱۹۷)

جادو سیکھنے، سکھانے، کرنے اور کروانے کی ممانعت

سحر و جادو کے اسباب پوشیدہ ہوتے ہیں اور جادوگر ایسی مخفی چیزوں سے کام لیتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ لوگوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسے طریقوں سے کام لیتے ہیں جو عام لوگوں کو سمجھ نہیں آتے۔ شرعی لحاظ سے بھی اسے سحر اس لیے کہا جاتا ہے کہ جادوگر اس کے ذریعے لوگوں پر حقیقت کو پوشیدہ کر دیتے ہیں اور اُنھیں ایسے تخیلات میں اُلجھا دیتے ہیں جن کو وہ حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا واقعہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے، جس میں جادوگروں نے رسیوں کو سانپوں کی شکل دے دی تھی۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق ارشاد ہے:

ترجمہ: (جادوگروں نے) کہا اے موسیٰ! یا تم (پہلے) پھینکو یا ہم پھینکیں۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ تم ہی ڈالو پھر جب انھوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں (تو) لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُنھیں ڈرایا اور وہ زبردست جادو لائے۔ اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی فرمائی کہ تم اپنا عصا ڈال دو تو وہ فوراً اُن (چیزوں) کو نگلنے لگا جو انھوں نے جھوٹی بنائی تھیں۔ (اعراف: 117-115)

بعض اوقات جادوگر ایسے اعمال کے ساتھ جادو کرتے ہیں جن تک پہنچنے کے لیے شیطانوں کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے، جس سے انسانوں کی عقل میں فتور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بعض جادوگر حقائق کو تبدیل کر کے پیش کرتے ہیں جس سے میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے۔ یہ سب حرام اور کفر ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں شیاطین جادو کیا کرتے تھے۔

پُر امید رہنے اور نیک شگون لینے کی اہمیت

ہمیشہ سے مختلف اقوام اور ملتوں کے درمیان نیک شگونی اور بد شگونی کا رواج پایا جاتا ہے بعض چیزوں کو فالِ نیک یعنی نیک شگون قرار دیتے ہیں، جس کو کامیابی کی نشانی قرار دیتے ہیں جیسے کوے کا کائیں کرنا کسی مہمان کے آنے کی خوشخبری سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض چیزوں کو بد شگونی ناکامی اور شکست کی نشانی سمجھتے ہیں، جبکہ ان چیزوں کا کامیابی اور شکست سے کوئی منطقی تعلق نہیں پایا جاتا۔ فالِ نیک یعنی نیک شگون انسان کے لیے امید اور تحریک کا باعث ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں نیک شگون کی حمایت کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

لَا طِيَرَةَ، وَخَيْرُهَا الْفَأْلُ قَالَ: وَمَا الْفَأْلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ

(صحیح البخاری: ۵۷۵۵)

ترجمہ: کوئی بد شگونی نہیں ہے اور فال اس سے بہتر ہے اس نے پوچھا اے اللہ کے رسول فال کیا چیز ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اچھی بات جسے تم میں سے کوئی سنتا ہے۔

مزید جانیے

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے بد شگون کیا یا اس کے لیے بد شگون کیا گیا، جس نے پیشین گوئی کی یا اس کے لیے پیشین گوئی کا کام انجام دیا گیا اور جس نے جادو کیا یا اس کے لیے جادو کیا گیا، اور جس نے شرکیہ دھاگا باندھا اور جو شخص کاہن کے پاس آیا اور اس کے کہے کی تصدیق کی تو اس نے اس شے کا انکار کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ (مسند البزار، حدیث: ۳۵۷۸)

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے نیک فال کے بارے میں فرمایا: وَأُحِبُّ الْفَأْلَ الصَّالِحَ (صحیح مسلم: ۱۱۳)

ترجمہ: اور میں نیک فال کو پسند کرتا ہوں۔

اسلام میں نیک شگون اور نیک فالی ثابت ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو نیک فالی پسند تھی، اور بعض مواقع پر آپ ﷺ نے نیک فال لی، جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے نمائندہ سہیل بن عمرو کے نام کے متعلق باخبر ہوئے تو فرمایا: قَدْ سُهِّلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ۔ ترجمہ: (مسلمانو!) تمھارا کام سہل اور آسان ہو گیا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۳۱)

کیونکہ سہیل عربی زبان کا لفظ ہے جس میں آسانی کے معنی موجود ہیں اسی لیے آپ ﷺ نے اس کے نام سے نیک فال لی اور مسلمانوں کو خوش خبری سنا دی۔

ستاروں اور فال کی حقیقت اور مختلف صورتیں

ستاروں کی تخلیق کے من جملہ فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کے ذریعے سمت، راستے اور اوقات کا جاننا بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا سمت، راستے، اوقات وغیرہ جاننے کے لیے تو ستاروں کے علوم سیکھ سکتے ہیں۔ نیز ان کی چال سے ظنی اور تخمینی طور پر موسم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ خاص اوقات اور کیفیات سے بادلوں کے جمع ہونے سے بارش برسنے پر ممکنہ استدلال کیا جاتا ہے، لیکن قطعی اور یقینی طور پر دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ ستاروں کی چال سے مستقبل کے حالات جاننے کی کوشش کرنا، اور ان باتوں پر یقین کرنا ناجائز و حرام ہے۔ اس مقصد کے لیے اس کا علم سیکھنا جائز نہیں ہے۔ اس کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِنَ النُّجُومِ، اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ۔ (سنن ابن ماجہ: 3726، سنن ابوداؤد: 3905)

ترجمہ: جس نے علم نجوم میں سے کچھ حاصل کیا، گویا اس نے سحر کا ایک حصہ حاصل کر لیا، اب جتنا علم نجوم میں بڑھتا جائے گا اتنا ہی جادو میں بڑھتا جائے گا۔

علم نجوم کی ایک قسم جائز ہے، جس میں ستاروں کی منزلیں اور ان کی حرکات کا علم جس کی مدد سے قبلہ کا رخ، اوقات صلاۃ کا تعین اور کھیتی باڑی کے لیے مناسب اور غیر مناسب موسم کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ملکوں، شہروں اور بستیوں کے حوالے سے ہواؤں کے چلنے کا وقت اور بارش کا نزول وغیرہ معلوم کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ (النحل: 16)

ترجمہ: اور (راستوں کی پہچان کی) علامتیں (بنائیں) اور ستاروں سے وہ لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی تعلیم سے ثابت ہوتا ہے کہ جادو کے اثرات ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو کچھ بھی انجام پاتا ہے، وہ اللہ کے ارادے ہی سے ہوتا ہے جو تقدیر الٰہی میں لکھا ہوتا ہے۔ ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننا توہم پرستی ہے۔ جس سے معاشرہ غیر حقیقی زندگی گزارنے کا عادی ہو جاتا ہے اور توہم پرست بن جاتا ہے۔ لہٰذا شریعت کے مطابق یہ سب کام ناجائز ہیں اور انسان کو حقیقی زندگی سے موڑ کر غیر حقیقی زندگی کا عادی بناتے ہیں۔

مشق

سوال نمبر۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ جس نے علم نجوم حاصل کیا، گویا اس نے حاصل کر لیا:

الف۔ فائدہ　　ب۔ نقصان　　ج۔ سحر　　د۔ نیک فال

۲۔ ستاروں کی چال سے ظنی اور تخمینی طور پر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

الف۔ حالات　　ب۔ موسم　　ج۔ تبدیلیوں　　د۔ اوقات

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس موقع پر نیک فال لی۔

الف۔ غزوہ بدر　　ب۔ غزوہ احد　　ج۔ صلح حدیبیہ　　د۔ فتح مکہ

۴۔ جادو گروں کی رسیوں کو نگل گیا:

الف۔ عصا　　ب۔ سانپ　　ج۔ اژدہا　　د۔ مگرمچھ

۵۔ علم نجوم بھی ایک قسم ہے:

الف۔ توہم پرستی کی　　ب۔ بدشگونی کی　　ج۔ سحر کی　　د۔ بدفالی کی

سوال نمبر۲۔ **درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔**

۱۔ ستاروں سے فال کیوں نکالی جاتی ہے؟

۲۔ جادو کی حقیقت کیا ہے؟

۳۔ بدشگونی کیوں حرام ہے؟

۴۔ نیک شگون کیوں جائز ہے؟

۵۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح فال نکالی؟

سوال نمبر۳۔ **درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔**

۱۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کے مقابلے کو واضح کریں۔

۲۔ نیک شگون اور بدشگون قرآن حدیث کی روشنی میں واضح کریں۔

۳۔ ستاروں سے فال کی حقیقت اور اس کی مختلف صورتیں بیان کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- خاندانی اور معاشرتی تعلقات میں ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی سے ہونے والی غلط فہمیوں کی فہرست بنائیں۔
- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننے اور توہم پرستی کی اپنے معاشرے میں موجود مختلف صورتوں کی نشان دہی کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- ستاروں اور فال کے ذریعے قسمت کا حال جاننا اور توہم پرستی سے ہونے والے نقصانات پر مذاکرہ کروائیں۔

باب پنجم

حسنِ معاملات و معاشرت

الف۔ سُود کی حرمت

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- سُود کے معنی اور مفہوم اور اس کی اقسام جان سکیں۔
- قرآن وسنّت کی روشنی میں سود کی حرمت کے احکام جان سکیں۔
- سُودی لین دین کے احکام ومسائل سمجھ سکیں۔
- سودی معاملات سے بچ کر دیگر اسلامی کاروباری ذرائع کے استعمال کا موازنہ کر سکیں۔
- سُود کے انفرادی، اجتماعی نقصانات دینی اور دنیاوی نقصانات اور مضر اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔

صلاحیت

- سُود کی حرمت اور قرضِ حسنہ کی ترغیب کو سمجھ کر روزمرہ زندگی کو اس کے مطابق ڈھال سکیں۔
- سُودی لین دین سے ممانعت کی حکمت اور احکام ومسائل سمجھ کر اس سے نفرت اور گریز کرنے والے بن سکیں۔

سُود کا معنی و مفہوم

سُود کو عربی میں ربا کہتے ہیں۔ جس کے لغوی معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں "ربا" سے مراد قرض پر وہ اضافہ ہے، جو قرض دینے والا قرض لینے والے سے ایک مقررہ مدت کے بدلے میں اصل رقم سے زیادہ وصول کرتا ہے۔ قرض کی مدت اور سُود دونوں متعین ہوتے ہیں اور قرض کی واپسی کی مہلت بڑھانے پر سود میں بھی اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مختلف شکلیں اور نام ہیں۔ لیکن اس میں اصل یہ ہے کہ قرض دینے والا قرض کی رقم کو اس شرط پر ایک خاص مدت تک استعمال کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے بدلے میں وہ ایک مقررہ شرح سے قرض دار سے منافع وصول کرے گا۔ شریعت میں قرض پر ہر زیادتی کو ربا نہیں کہتے، بلکہ وہ زیادتی جس میں شرط شامل ہو وہ "ربا" کہلاتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اگر شرط نہ رکھی جائے اور قرض واپس کرتے وقت قرض لینے والا اپنی خوشی سے کوئی رقم یا چیز اضافہ کر کے قرض دینے والے کو دے، تو اسے سود نہیں کہیں گے۔

قرضِ حسنہ کا مفہوم

قرضِ حسنہ کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی کسی ضرورت مند اور تنگ دست کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے ایسا قرض دے جس کے بدلے میں کوئی زائد رقم یا منافع حاصل کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اگر قرض دار وقت پر قرض واپس نہ کر سکے تو قرض کی ادائی کی مدت کو اس وقت تک بڑھا دیا جائے، جب تک وہ آسانی سے قرض واپس کرنے کے قابل نہ ہو جائے یا اسے قرض معاف کر دیا جائے۔ یہ آخری صورت یعنی قرض معاف کرنا، ہی دراصل قرضِ حسنہ کی روح ہے۔ قرضِ حسنہ کی اس کیفیت کو سُود کا متضاد قرار دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم اور ارشادات رسول مکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وأصحابہ وسلم میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (الحدید: 11)

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تو (اللہ) اِس کو اُس کے لیے کئی گنا بڑھاتا ہے اور اُس کے لیے عزّت والا اجر ہے۔

قرض دار اگر قرض واپس کرنے کے قابل نہ ہو تو قرآن حکیم اسے مہلت دینے اور معاف کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:280)

ترجمہ: اور اگر (مقروض) تنگدست ہو تو اُسے خوش حال ہونے تک مہلت دو اور اگر تم (قرض معاف کر کے) صدقہ ہی کر دو (یہ) تمھارے لیے (زیادہ) بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

سُود کی اقسام

سُود کی دو بڑی اقسام ہیں ۱۔ ربا مرکب ۲۔ ربا الفضل

۱۔ ربا مرکب سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کو روپیا یا کوئی جنس قرض دے اور ایک مدت طے کر لے کہ اتنی مدت کے بعد اتنے اضافہ کے ساتھ واپس کرنی ہے۔ مثلاً ایک آدمی دوسرے کو ایک لاکھ روپے ایک سال کے لیے ادھار دیتا ہے اور شرط یہ لگاتا ہے کہ جب ایک سال بعد قرض واپس کیا جائے گا تو ایک لاکھ بیس ہزار روپے واپس کرنا ہوں گے اور اگر قرض دار دو مہینے یا چھے مہینے کی مزید مہلت مانگے تو رقم کو ایک لاکھ 30 ہزار کر دیا جائے۔ اسے سود مرکب کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک من گندم ادھار لی اور چھے ماہ کے بعد ایک من اور دس کلو واپس کرنی ہو تو یہ بھی اسی قسم کا سود ہے۔ شریعت میں یہ قطعی طور پر حرام ہے۔

۲۔ ربا الفضل سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی جنس کا آپس میں اس طرح تبادلہ کیا جائے کہ ان میں سے ایک کی مقدار دوسری سے کم یا زیادہ ہو یا دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ دست بدست نہ کیا جائے بلکہ ان میں سے ایک چیز آج ادا کی جائے اور اس کا بدلہ مدت کے بعد ادا کیا جائے۔ اگر مقدار میں فرق ہو گا تو وہ سُود کہلائے گا، اسے ربا الفضل کہتے ہیں۔ مثلاً سونے کے بدلے میں سونا، گندم کے بدلے میں گندم اور اسی طرح دیگر اشیاء کا تبادلہ برابر مقدار میں ہونا چاہیے۔ نبی مکرم ﷺ نے ایک ہی جنس کی اشیاء کے غیر مساوی تبادلے سے منع فرمایا ہے۔

قرآن حکیم میں سُودی لین دین کی ممانعت

اللہ تعالیٰ نے سُود کو حرام قرار دیا ہے اور سُود لینے سے منع فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرۃ:275)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی سُود ہی کی مانند ہے حالاں کہ اللہ نے تجارت کو حلال فرمایا ہے اور سُود کو حرام کیا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو سُود کی وصولی ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (البقرة:278)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو سُود (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہے اگر تم (سچے) مومن ہو۔

احادیث میں سُودی لین دین کی ممانعت

بہت ساری احادیث میں نبی پاک ﷺ سے سُود کے گناہ کی شدت اور اُس کے حرام ہونے کے احکامات نقل ہوئے ہیں، جن میں سے دو احادیث کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سُود کے کھانے والے، کھلانے والے، سُود کے لین دین کی تحریر لکھنے والے اور گواہی دینے والے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم:1598)

۲۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سُود کی تمام رقم کو معاف فرمادیا اور سودی لین دین کو ہمیشہ کے لیے کالعدم قرار دے دیا۔ ان معاف شدہ اور کالعدم رقوم میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی لوگوں کے ذمہ واجب الادا رقوم بھی شامل تھیں۔ (صحیح بخاری:2068)

سُود خوری کا انجام

اللہ تعالیٰ نے سُود کا کاروبار کرنے والوں کو سُود ترک کرنے کا حکم دیا ہے اور ایسا نہ کرنے پر انھیں اس دنیا میں بھی وعید سنائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب سے ڈرایا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

> ترجمہ: جو لوگ سُود کھاتے ہیں وہ (روزِ قیامت) کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر پاگل کر دیا ہو۔ (البقرة:275)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کو جنگ کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا ہے:

> ترجمہ: پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اُس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو اور اگر تم توبہ کر لو تو تم اپنے اصل مال کے حق دار ہو نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ (البقرة:279)

سُود کے انفرادی و اجتماعی نقصانات

سُود کے انفرادی و اجتماعی، معاشی و اخلاقی نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ ذیل میں اس کے چند نقصانات کا ذکر مختصر طور پر کیا جاتا ہے۔

۱۔ حرص کی انتہا:

سُودی شخص کو مفت خوری کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس میں اتنی حرص پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ زندگی کو روپے پیسے اور مال کے حساب سے ناپتا اور تولتا ہے۔ انسانی وقار اور تکریم اس کے نزدیک قدر کھو دیتے ہیں اور وہ صلہ رحمی اور رشتوں کی پہچان سے عاری ہو جاتا ہے۔

۲۔ محنت کی ناقدری :

اللہ تعالیٰ سے جنگ کے نتائج

اخباری اطلاعات کے مطابق پاکستان کے مالی سال (2020-2021) میں قرضوں پر "3052" ارب روپے سُود ادا کیا گیا۔ جبکہ دفاع، تعلیم اور صحت کے لیے مجموعی طور پر 1420 ارب روپے خرچ کیے گئے۔

سُودی نظام میں انسانی محنت کی کوئی قدر نہیں ہوتی جبکہ اسلام محنت کشوں و مزدوروں کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے محنت کش کو اس کی مزدوری، اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔(ابن ماجہ : 2443) کیونکہ اصل میں معیشت کا انحصار اسی پر ہے۔ لیکن سودی نظام میں محنت کے بجائے سرمائے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے جس سے مزدور کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں اور نتیجہ کے طور پر اس کا محنت کرنے سے دل بھر جاتا ہے کیونکہ اس کی ساری کمائی سُود خور سرمایہ دار لے جاتا ہے۔

۳۔ فطرت کے خلاف:

قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشقت میں پیدا فرمایا ہے (سورۃ البلد: 4)۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ دنیا دار العمل ہے، یہاں سب کو محنت کرنی چاہیے۔ جو آدمی محنت نہیں کرتا وہ کسی اور کی کمائی پر پلتا ہے۔ سود خور کا معاملہ بھی ایسا ہے، اسے بے مشقت وسیع روزی حاصل ہوتی ہے، اس لیے اسے رزق کی قدر نہیں ہوتی۔ اس سے ایک شخص کے پاس مال و دولت کی ریل پیل ہو جاتی ہے اور دوسرے آدمی کو مشقت کرنے کے باوجود بھی پیٹ بھر روزی میسر نہیں آتی۔

۴۔ دولت کا ارتکاز:

سُود سے سرمایہ دار کے پاس سرمایہ جمع ہو جاتا ہے اور وہ خرچ نہیں کرتا، جس سے دولت کی گردش رک جاتی ہے اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ضرورت کی اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور عام آدمی اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے سخت مشقت میں پڑ جاتا ہے۔ تجارت ایسی چیز ہے جس میں کبھی نفع ہوتا ہے تو کبھی نقصان ہوتا ہے لیکن سود خور ہمیشہ نفع حاصل کرتا ہے اور کسی نقصان کو برداشت کرنے میں شریک نہیں ہوتا۔ تاجر اپنے کاروبار کو بچانے کے لیے قرض لینے پر مجبور ہوتا ہے اور پھر سُود اور قرض ادا کرنے کے لیے وہ بھی بے ایمانی پر اتر آتا ہے اور ضرورت کی اشیاء کا معیار گرا دیتا ہے۔ اس طرح دھوکا دہی کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سودی کاروبار سے انفرادی نقصانات کے علاوہ ملک کی معیشت بھی سخت امتحان سے دوچار ہو جاتی ہے، جیسا کہ اب پاکستان سمیت دنیا کے مقروض ممالک کا حال ہو چکا ہے۔ ہر سال ملکی بجٹ کا بہت بڑا حصہ سُود کی ادائی میں خرچ ہو جاتا ہے۔

قرآنی حکمت

سُودی کاروبار سے بظاہر سرمایہ زیادہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دراصل سُود سے سرمایہ کم ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

ترجمہ: اللہ سُود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرۃ:276)

انسانی زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سُود خوری سے اجتماعی معیشت سکڑتی ہے اور انسانوں کے رزق میں کمی آتی ہے جبکہ دولت صرف چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جاتی ہے، جسے وہ خود بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حکمت سمجھ میں آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سُود کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ ہمیں مسلمان ہونے کے ناتے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع بنانا چاہیے۔ ہماری قومی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ سُود کے بہت زیادہ نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم سب بحیثیت قوم اور ہماری حکومتیں بھی اس بات میں ناکام رہی ہیں کہ ملک کی معیشت کو سُود سے پاک اصولوں پر استوار کر سکیں۔ انفرادی طور پر بھی ہم میں سے بہت سے لوگ سُودی کاروباروں میں ملوث ہیں مثلاً بولی والی کمیٹی میں حصہ لینا یا سودی بینکوں میں فکس ماہانہ یا سالانہ منافع پر پیسے جمع کروانا سُود کی مختلف صورتیں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں اور ان سے جنگ سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تجارت اور کاروبار کو حلال قرار دیا ہے۔ بہت سارے لوگ شراکت اور مضاربت پر کاروبار کر رہے ہیں اور ان کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ شراکت سے مراد دو یا دو سے زیادہ افراد کا سرمایہ اکٹھا کر کے مشترکہ نفع و نقصان کی بنیاد پر کاروبار کرنا ہے یا دو کاریگروں کا مل کر مزدوری کرنا یا کام کا ٹھیکا حاصل کرنا اور اس کی آمدن کو برابر تقسیم کر لینا ہے۔ اسی طرح مضاربت میں ایک شخص سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا شخص اپنا وقت اور محنت لگاتا ہے اور اس کاروبار سے ہونے والا منافع برابر تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے انسان کے ہاتھ کی کمائی اور ہر صحیح خرید و فروخت کو بہترین کمائی قرار دیا ہے (مسند احمد: 17265)۔ ہمیں چاہیے کہ ہم کاروبار کے حلال طریقوں کو سمجھیں اور ان کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی معیشت کو استوار کریں۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ ربا کے معنی ہیں:

الف۔ قرض　　ب۔ اضافہ　　ج۔ منافع　　د۔ سُود

۲۔ اگر ایک ہی جنس کی چیزوں کا تبادلہ کیا جائے اور ان کی مقدار میں فرق ہو تو اسے کہتے ہیں:

الف۔ ربا حرام　　ب۔ ربا مرکب　　ج۔ ربا الفضل　　د۔ سودی اضافہ

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی لوگوں کے ذمہ سود کی ادائیگیاں معاف فرمائیں، ان میں شامل تھیں۔

الف۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی رقوم　　ب۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ادائیاں

ج۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی سودی رقوم　　د۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ادائیاں

۴۔ سودی نظام میں کوئی قدر نہیں ہوتی:

الف۔ پیسوں کی　　ب۔ کاروبار کی　　ج۔ محنت کی　　د۔ شراکت کی

۵۔ سُود خوری کے نتیجے میں اجتماعی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

الف۔ سکڑتی ہے　　ب۔ پھیلتی ہے　　ج۔ ترقی کرتی ہے　　د۔ بڑھتی ہے

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ قرضِ حسنہ سے کیا مراد ہے، وضاحت کریں۔

۲۔ شراکت سے کیا مراد ہے اور اس طرح کاروبار جائز ہے یا ناجائز؟

۳۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے سُود کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟

۴۔ معاشرے میں رائج سودی کاروبار کی کون کون سی شکلیں ہیں؟ کوئی سی دو اقسام کے نام لکھیں۔

۵۔ مضاربت سے کیا مراد ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ سُود کا معنی و مفہوم کیا ہے، اس کی اقسام کی مثالوں سے وضاحت کریں۔

۲۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں سُود کی حرمت بیان کریں۔

۳۔ سُود خوری معاشرے کو کس طرح تباہ کرتی ہے، تفصیلی نوٹ لکھیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- قرضِ حسنہ اور سُود کے متعلق آیات قرآنی کا الگ الگ چارٹ بنا کر جماعت کے سامنے آویزاں کریں۔
- پاکستان میں اسلامی بینکاری نظام کے متعلق اپنے استاد سے سوال کریں اور انٹرنیٹ پر گوگل اور دوسرے سرچ انجن کی مدد سے تلاش کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- موجودہ دور میں سُود کی مختلف صورتوں کی فہرست بنوائی جائے۔
- جائز کاروبار اور تجارت کے طریقوں پر جماعت کی رہنمائی کریں۔

ب۔ اسلامی ریاست

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

قرآن وسنّت کی روشنی میں اسلامی ریاست کے قیام، اغراض ومقاصد اور اس کے دائرہ کار کو جان کر فلاحی ریاست کے ذمہ دار شہری بن سکیں۔

علم

- اسلامی ریاست کے معنی اور مفہوم جان سکیں۔
- قرآن وسنّت کی روشنی میں اسلامی ریاست کے اغراض ومقاصد جان سکیں۔
- یہ سمجھ سکیں کہ اسلامی ریاست اصل میں فلاحی ریاست ہوتی ہے۔
- اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کو سمجھ سکیں۔
- اسلامی ریاست میں افراد کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- اسلامی ریاست کے اصولوں کو سمجھتے ہوئے ایک مثالی شہری بن سکیں۔
- ریاست کے قوانین کو جانتے ہوئے اپنے حقوق وفرائض سے آگاہ ہو سکیں۔
- اسلامی ریاست کی خصوصیات کو جانتے ہوئے مملکت خداداد پاکستان کو ایک مثالی فلاحی اسلامی ریاست بنانے کے لیے اپنا کردار ادا سکیں۔

ریاست کا مفہوم

ریاست کی اصطلاح عربی زبان کے لفظ ''رأس'' سے ماخوذ ہے، رئیس کے معنی سردار یا سربراہ کے ہیں۔ انگریزی زبان میں ریاست کا مترادف لفظ سٹیٹ (STATE) ہے۔ یہ کسی خاص علاقہ میں رہنے والے افراد کی بیرونی محکومی سے آزاد ایسی سیاسی تنظیم ہے، جو اپنے اقتدار اعلیٰ کو اپنی حکومت کے ذریعے سے نافذ کرے۔ یعنی اس میں آبادی، علاقہ، حکومت، آزادی اور اقتدار اعلیٰ بنیادی عناصر ہیں۔

> ریاست میں اقتدار اعلیٰ ایسی قوت ہے جو ریاست کے تمام اختیارات کا منبع ہے۔ یہ ایسی طاقت ہے جس کی مرضی کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جاسکتا۔ موجودہ زمانے کی اکثر جمہوری ریاستوں میں اقتدار اعلیٰ کا مالک عوام کو سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی ریاست کا معنی ومفہوم

اسلامی ریاست سے مراد ایسی ریاست ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور وہ اپنی زندگیاں اسلام کے دیے ہوئے قانون شریعت کی روشنی میں گزارنے کے لیے ایک فلاحی نظام قائم کریں۔ اسلامی ریاست میں حکومت اپنے اختیار کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں استعمال کرنے کی پابند ہے۔ اسلامی ریاست کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقتدار اعلیٰ عوام کی اکثریت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ ریاست مدینہ سب سے پہلی اسلامی ریاست تھی۔ آج بھی اسلامی ریاست اسی نمونہ پر قائم ہونی چاہیے۔

اسلامی ریاست کے اغراض ومقاصد

اسلامی ریاست کے قیام کا بنیادی مقصد اس نظام کو وجود میں لانا ہے، جو اسلام نے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے پیش کیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مقصد ہے، جس کے ساتھ کچھ دیگر مقاصد وجود میں آتے ہیں، جن کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے:

ا۔ حاکمیت الٰہیہ کا قیام:

اسلامی ریاست کے قیام کا سب سے اولین مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اسلامی عقیدہ کی رو سے اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق و مالک اور بادشاہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی ریاست وجود میں لائی جائے جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی قانون نافذ نہ کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف: 40) ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ صرف اللہ کا حکم (چلتا) ہے۔

۲۔ نظامِ عدل کا قیام:

ریاست اسلامی کے قیام کا اہم مقصد نظام عدل کا قیام اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہے۔ انسانوں کے درمیان تنازعات جنم لیتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تنازعات میں کمزور کو طاقتور کے جبر اور ظلم سے بچایا جائے۔ اس کے لیے قرآن و سنت کے قوانین پر عمل درآمد کروانا، اسلامی ریاست کا بنیادی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے (النحل: ۹۰) ایک مشہور قول ہے کہ ملک کفر کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا۔ نظام عدل کے قیام میں بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور ظلم کا خاتمہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔ نیابتی حکومتی نظام:

انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور اس کی مرضی کا تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی بندگی و عبادت اور اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو زمین پر نافذ کرنے کے لیے ایک حکومت کے قیام کی ضرورت ہوتی ہے، جس کی کوئی بھی ظاہری صورت ہو سکتی ہے، مثلاً جمہوریت، بادشاہت یا خلافت۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ نماز زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نظام قائم کرے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ (الحج: 41)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔

نماز کا نظام قائم کرنے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور انسانی مساوات و اجتماعیت کا ایک پورا معاشرتی ڈھانچا وجود میں آتا ہے۔ نظام زکوٰۃ قائم کرنے سے غریبوں کی کفالت کے لیے مکمل معاشی نظام وجود میں آتا ہے جس سے کمزوروں، مفلسوں، بیماروں اور ضعیفوں کی ضروریات کی کفالت ہوتی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے مراد اچھائی کا حکم دینا اور برائی کو روکنا ہے، تاہم اس میں ہر اس جائز اور حلال کام کا فروغ دینا شامل ہے جس سے معاشرہ ترقی کرے اور ہر اس برائی کی بیخ کنی کرنا بھی شامل ہے، جس سے معاشرہ کی نشوونما رکتی ہے۔

فلاحی ریاست کی خصوصیات

فلاحی ریاست کی دو اہم خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عوام کی سہولت کے لیے رفاہِ عامہ کے کام کرتی ہے جس میں پانی کی بہم رسانی کا نظام، سڑکوں، پلوں، ہسپتالوں، مدرسوں، پناہ گاہوں، تفریح گاہوں کی تعمیر اور رابطے کے لیے مواصلات کے نظام کی بہتری شامل ہے، جس سے عوام

الناس کو سہولت ہوتی ہے۔ فلاحی ریاست کی دوسری اہم خوبی ناداروں، محتاجوں، غریبوں اور بیماروں کو خوراک، رہائش، ادویات مہیا کرنا اور آفات سے تحفظ دینا ہے۔ لاوارثوں کی سرپرستی اور قرض داروں کا قرض ادا کرنا بھی فلاحی ریاست کے اہم فرائض میں شامل ہے۔

اسلامی ریاست کی اہم خصوصیات

اسلامی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہے کہ فلاحی ریاست کا اصل تصور اسلامی ریاست کی ہی دین ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کے مصارف پر نظر ڈالی جائے، تو اسلام کے فلاحی کاموں کے دائرہ کی وسعت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کا کوئی سرپرست نہ ہو، اس کی سرپرست حکومت ہے۔ سیرت طیبہ کا عمومی اور خاص طور پر مدنی دور کا مطالعہ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ادوار حکومت کا مطالعہ کرنے سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ اسلامی ریاست لوگوں کی فلاح و بہبود اور ان کی اجتماعی و انفرادی ضروریات کی کفالت کی ذمہ داری ادا کرتی ہے۔ لوگوں کے جان و مال کے تحفظ، امن عامہ قائم کرنے اور لوگوں کی آبادکاری اور روزگار کے وسائل کی فراہمی کا بندوبست اسلامی ریاست کے اہم فرائض میں شمار ہوتا ہے۔ میثاق مدینہ کی بہت سی دفعات میں لوگوں کے معاشرتی اور معاشی انتظام کو برقرار رکھنے اور فروغ دینے کا بندوبست کیا گیا ہے، جس میں اجتماعی انشورنس کے طرز پر دیت کی ادائی کو یقینی بنانا شامل ہے۔ اسی طرح مہاجرین کی آبادکاری کے لیے مؤاخات کا انتظام بھی اسلامی ریاست کی اہم ذمہ داری کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے مسلمانوں کے لیے الگ بازار قائم فرمایا اور اس کا خود معائنہ فرمایا کرتے تھے اور اس پر نگران بھی مقرر کیے ہوئے تھے تاکہ لوگوں کے مفادات کا تحفظ کیا جا سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا اپنی کمر پر آٹے کی بوری لاد کر شہر مدینہ کے باہر ایک دیہاتی کے خیمہ تک پہنچانے کا واقعہ مشہور ہے۔ اسی طرح راتوں کو گشت کر کے رعایا کے حال احوال کی خبر گیری کرنے سے اسلامی فلاحی ریاست کی اہم خصوصیات اجاگر ہوتی ہیں۔

اسلامی ریاست کے اہم اصول

اسلامی ریاست کچھ اہم اصولوں پر قائم ہوتی ہے، جن کا ذکر مختلف کتب میں تفصیل سے کیا گیا ہے۔ ان ہی اصولوں کا خلاصہ پاکستان کے دستور کی تیاری کی بنیاد فراہم کرنے کے لیے علماء نے اپنے مشہور بائیس (۲۲) متفقہ نکات کی صورت میں پیش کیا تھا، جن کا خلاصہ ذیل میں درج ہے:

- اقتدار اعلیٰ کی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہی قانون ساز ہے اور اس کی شریعت کے خلاف اسلامی ریاست میں کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔
- مسلمان اللہ تعالیٰ کی خلافت اور نیابت میں ریاست قائم کرتے ہیں اور اپنے میں سے کسی بہتر شخص کو امیر منتخب کر کے اس کی اطاعت کرنے کے پابند ہیں۔ اسلامی ریاست کے امور باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں، کیونکہ قرآن نے اس کا حکم دے رکھا ہے۔ انفرادی و اجتماعی عبادتوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔
- تمام انسانوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل، قبیلے اور جنس کے مساوی سمجھا جاتا ہے اور بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جاتا ہے۔ حکمران اور ریاست کے کارندے بھی عوام کی طرح قانون کے تابع ہوتے ہیں۔
- ریاست رعایا کی بنیادی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ خاص طور پر محروم طبقات کے لیے بنیادی ضروریات کی دستیابی کو یقینی بناتی ہے۔
- اسلامی ریاست رعایا کی سیاسی، مذہبی اور معاشی آزادی کا تحفظ کرتی ہے اور ہر طرح کی عصبیتوں سے پاک ہو کر سب کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرتی ہے۔

- اسلامی ریاست پر امن بقائے باہمی پر یقین رکھتی ہے، تاہم ممکنہ جارحیت کی صورت میں دفاع کی بھرپور تیاری کرتی ہے اور جہاد کے لیے تیار رہتی ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق

ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلم رعایا کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ تحفظ کے وسیع دائرے میں جو حقوق انھیں حاصل ہوتے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ **مذہبی آزادی:** اسلامی ریاست میں بسنے والے ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حکومت یا کوئی گروہ کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں ہے۔ ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے (البقرۃ:256)۔ اسی طرح مذہبی اقلیتوں کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ ان کے مذہب کی توہین نہ کی جائے: قرآن مجید فرماتا ہے۔ ترجمہ: اور جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اُنھیں بُرا مت کہو۔ (الانعام:108)۔

۲۔ **جان، مال اور عزت کی حفاظت:** اسلامی ریاست اقلیتوں کی جان، مال اور عزت کے تحفظ کی اتنی ہی ذمہ دار ہے جتنی مسلمانوں کے جان و مال کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مسلمان نے ایک ذمی (غیر مسلم اقلیتی رکن) کو بلا عذر قتل کر دیا تھا، تو قصاص میں مسلمان قاتل کو قتل کیا گیا۔ اسی طرح اسلامی حکومت ذمیوں کی عزت کی بھی محافظ ہے۔ غیر مسلم رعایا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہے۔

۳۔ **قانونی مساوات:** اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے لیے بھی وہی انتظامی قانون ہے جو مسلمانوں کے لیے ہے۔ تاہم کچھ قوانین میں انھیں نرمی اور آزادی حاصل ہے مثلاً غیر مسلم اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ غیر مسلم رعایا کے مذہبی معاملات میں ان کے مذہبی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ **عبادت گاہیں:** غیر مسلم اپنی بستیوں میں عام جگہوں پر نئی عبادت گاہ تعمیر کرنے اور پرانی عبادت گاہوں کو قائم رکھنے میں آزاد ہیں۔ تاہم وہ مساجد کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتے۔

اسلامی ریاست میں افراد کی ذمہ داریاں

اسلام جہاں افراد کو حقوق عطا کرتا ہے وہاں ان پر کچھ فرائض بھی عائد کرتا ہے۔ ریاست کے معاملے میں بھی افراد کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ان پر چند فرائض کا بوجھ بھی ڈالا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ ذمہ داریوں کا تعلق افراد کی ذات سے ہے اور کچھ ذمہ داریاں اجتماعی طور پر تمام لوگوں پر عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے چیدہ چیدہ ذمہ داریاں ذیل میں درج ہیں:

ا۔ **انفرادی ذمہ داریاں**

اسلامی ریاست میں فرد کی پہلی ذمہ داری قانون کا احترام ہے۔ اسے ہر جگہ پر، چاہے وہ تنہا ہو، اپنے قریبی لوگوں میں ہو یا مجمع عام میں ہو، نظم و ضبط اور قانون کی پاسداری کرنی چاہیے۔ اگر ریاست کا شہری مسلمان ہے تو اسے اسلامی طرزِ زندگی اور شریعت کے احکام و فرائض کی پابندی بھی لازمی کرنی ہے، کیونکہ دین اسلام اس نے اپنی مرضی سے اختیار کیا ہے۔ دینی تعلیمات اور احکامات کی پابندی سے اس میں عام قانون کی پابندی کا احساس بھی

پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حاکم اور عدالت کا احترام اور ان کی اطاعت بھی نہایت اہم ہے۔ اسلامی ریاست کے شہری کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں، کمیونٹی کے افراد اور سارے معاشرے کے افراد کی اصلاح اور خیر خواہی کا جذبہ رکھے اور اسی کی روشنی میں سب سے برتاؤ کرے۔ ایک اور اہم ذمہ داری جائز معاشی سرگرمی میں حصہ لینا ہے، تاکہ ہر فرد معاشرے کے لیے مفید بن سکے اور دوسروں پر بوجھ نہ بنے۔

۲۔ اجتماعی ذمہ داریاں

اسلامی ریاست کے افراد کی ذمہ داریوں میں ریاست سے وفاداری سب سے اہم ہے جس میں نہ صرف قانون پر عمل درآمد کرنا شامل ہے بلکہ قانون پر عمل درآمد کروانے کی کوششوں میں ریاستی اداروں سے تعاون کرنا بھی شامل ہے۔ افراد کو چاہیے کہ وہ امن عامہ کو سبوتاژ کرنے والوں کی سازشیں ناکام بنانے کے لیے اخلاقی اور قانونی طور پر تعاون کریں۔ شہریوں کا اہم فرض وطن کے دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا اور وقتِ ضرورت ریاست کی آواز پر لبیک کہنا ہے۔ ریاست میں حکمران کے انتخاب یا کسی اور مسئلے میں رائج قوانین کے تحت اگر ان سے رائے مانگی جائے، تو وہ ضرور اس سرگرمی میں حصہ لیں اور ریاستی امور سے غافل اور بے خبر نہ رہیں۔ اسی طرح اگر ریاست کی بہتری کے لیے وہ کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں، تو انھیں اس کے لیے ضرور کوشش کرنی چاہیے اور اس کے نظام میں بگاڑ پیدا کرنے کی ہر کوشش کی قانونی اور اخلاقی طریقے سے نفی کرنی چاہیے۔ اسلامی ریاست کے افراد کی ایک اہم ذمہ داری رواداری اور برداشت کے کلچر کو فروغ دینا ہے۔ اگر وہ مسلمانوں میں سے ہیں، تو انھیں اقلیتوں کے حقوق کا احترام کرنا چاہیے اور اگر وہ کوئی اقلیتی گروہ ہیں، تو انھیں مسلم اکثریت کے قوانین اور احساسات کا احترام کرنا چاہیے۔ اسلامی ریاست کے اصول ایک مثالی فلاحی ریاست کے قیام کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔ ہمیں پُر امن سیاسی جدوجہد کے ذریعے اسلامی نظام کے مطابق ملک کا نظم و نسق بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آئین کی رو سے ہمارے ملک میں شریعت کے خلاف کوئی بھی قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ قرار دادِ مقاصد اور آئینِ پاکستان کا مطالعہ اسلامی ریاست کے اصولوں سے واقفیت کے لیے بہت مفید ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور قانون میں جہاں کوئی بات اسلامی تعلیمات کے خلاف دیکھیں تو اس کی نشاندہی کریں۔ ہمیں چاہیے کہ دوسروں سے پہلے اپنی اصلاح کی کوشش کریں اور پھر اچھائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں کو مٹانے میں قانون کا ساتھ دیں اور سب سے پہلے "میں" کے اصول کے تحت آئین اور قانون کی پابندی کرنے کا عہد کریں۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ موجودہ زمانے کی جمہوریت میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اکثریت کو سمجھا جاتا ہے:

الف۔ حکومت کی　　ب۔ اداروں کی　　ج۔ عوام کی　　د۔ علماء کی

۲۔ اسلامی ریاست کے قیام کا اولین مقصد حاکمیتِ اعلیٰ کو تسلیم کرنا ہے:

الف۔ عوام کی　　ب۔ اللہ تعالیٰ کی　　ج۔ حکومت کی　　د۔ عدلیہ کی

۳۔ نظامِ عدل کے قیام میں بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ حیثیت رکھتا ہے:

الف۔ دل کی　　ب۔ دماغ کی　　ج۔ ریڑھ کی ہڈی کی　　د۔ جگر کی

۴۔ غیر مسلم رعایا کے مذہبی معاملات میں کس قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

الف۔ اسلامی قانون کے　　ب۔ ان کے مذہبی قانون کے　　ج۔ اقوام متحدہ کے قانون کے　　د۔ عالمی قانون کے

۵۔ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کی سرپرست ہوتی ہے:

الف۔ حکومت　　ب۔ عوام　　ج۔ عدلیہ　　د۔ فوج

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ اسلامی ریاست کے کوئی سے دو اہم اصول بیان کریں۔

۲۔ اسلامی ریاست کے افراد کی تین اہم ذمہ داریوں کو نکات کی صورت میں بیان کریں۔

۳۔ فلاحی ریاست کی دو خصوصیات تحریر کریں۔

۴۔ غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق قرآن مجید میں کیا حکم ہے؟

۵۔ قرارداد مقاصد کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ ریاست سے کیا مراد ہے قرآن و سنت کی روشنی میں اسلامی ریاست کے اغراض و مقاصد بیان کریں۔

۲۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلمون کے حقوق تفصیل سے بیان کریں۔

۳۔ اسلامی ریاست کی خصوصیات تفصیل سے بیان کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں کی فہرست تیار کریں۔
- اسلامی ریاست میں افراد کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا جائزہ لے کر تبصرہ کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- آئین پاکستان کی اسلامی شقوں کا چارٹ بنوا کر جماعت کے کمرے میں آویزاں کروائیں۔
- بچوں کو قرارداد مقاصد کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔

ج۔ جہاد فی سبیل اللہ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

قرآن و سنّت کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ کے اغراض و مقاصد اور اس کے دائرہ کار کو جان کر اسلامی فلاحی ریاست کے قیام میں اپنے کردار کا جائزہ لے سکیں۔

علم	صلاحیت
• جہاد فی سبیل اللہ کے معنی اور مفہوم جان سکیں۔ • "پیغامِ پاکستان" کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ اور فساد فی الارض (دہشت گردی) میں فرق کر سکیں۔ • قرآن و سنّت کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت و اہمیت جان سکیں۔ • جہاد فی سبیل اللہ کی اقسام، شرائط اور اس کے دائرہ کار کو سمجھ سکیں۔ • اس بات کو سمجھ سکیں کہ عملی جہاد صرف حاکمِ وقت کی اجازت سے ہو سکتا ہے۔ • جہاد فی سبیل اللہ میں افراد کی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا جائزہ لے سکیں۔	• اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت جان کر اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرنے والے بن سکیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کا معنی و مفہوم

جہاد کا لفظ "جہد" سے نکلا ہے، جس کا معنی وسعت و طاقت اور تکلیف و مشقت کے ہیں۔ اصطلاح میں نیکی و خیر کے کاموں اور دین کی سربلندی و خدمت کے لئے اپنے جان و مال اور تمام وسائل سے انتہائی کوشش کرنا اور ہر طرح کی مشقت و تکلیف کو برداشت کرنا، حتیٰ کہ جان تک کی پرواہ نہ کرنا، جہاد کہلاتا ہے۔ اسلام میں جہاد کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ سے کسی نے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ جہاد کیا ہے؟ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا۔ "جہاد یہ ہے کہ تو کفار سے مقابلے کے وقت ان سے لڑے" (مسند احمد: 17027)۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا (صحیح بخاری: 3004)۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں، عورتوں پر جہاد ہے، لیکن ایسا جہاد جس میں قتال کی نوبت نہیں آتی، یعنی حج اور عمرہ"۔ (سنن ابن ماجہ: 2901)۔

ان روایات سے ہمیں اسلام میں جہاد کی حقیقت اور اس کے معنی و مفہوم کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہاد کی فرضیت و اہمیت

قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور ان کی نصرت اور مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس نصرت اور مدد میں ہر قسم کا جہاد شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ ؕ (الفتح:9)

ترجمہ: تاکہ (مسلمانو!) تم اللہ اور اُس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اُن (رسول خاتم النبیین ﷺ) کی مدد کرو اور اُن (رسول خاتم النبیین ﷺ) کی تعظیم کرو۔

جہاں تک جہاد بالسیف کا تعلق ہے، تو ہجرت مدینہ کے بعد اس کی اجازت دی گئی کیونکہ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ایذائیں دیں اور آپ ﷺ کی جان لینے کا منصوبہ بنایا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مدینہ کی طرف ہجرت کی گئی۔ مشرکین مکہ نے ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کو مدینہ میں چین سے نہ رہنے دیا اور یہود کے ساتھ ساز باز کر کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنائے۔ اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دے دی، جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ (الحج:39)

ترجمہ: جن لوگوں پر لڑائی مسلّط کی جائے انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے کیوں کہ وہ مظلوم واقع ہوئے اور بے شک اللہ ان کی مدد پر یقیناً بڑی قدرت رکھتا ہے۔

سورہ حج کی درج بالا آیت مبارکہ کے کچھ مہینوں کے بعد ہی جنگ بدر سے قبل مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا گیا۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے:

اور اللہ کی راہ میں (ان سے) لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرنا بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (البقرۃ:190)

دوسری آیت میں ارشاد ہے:

اور اُن سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر کوئی سختی (روا) نہیں۔ (البقرۃ:193)

لڑائی اور جنگ کے علاوہ جہاد کے اعمال میں نماز و زکوٰۃ کا نظام قائم کرنا اور نیکی کے کاموں کا حکم دینا اور برائی کے کاموں سے منع کرنا بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قتال کی اجازت دیتے وقت مؤمنین کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور بُرائی سے روکیں گے۔ (الحج:41)

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر جہاد باللسان کو افضل جہاد قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ظالم حکمراں کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے (سنن ابو داؤد: 4344)

جہاد کی فضیلت

قرآن حکیم نے جہاد کی فضیلت کو مختلف مواقع پر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سورہ توبہ میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (التوبۃ:۲۰)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے وہ اللہ کے نزدیک درجے میں زیادہ عظیم ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

اسی طرح متعدد احادیث میں بھی جہاد کے راستے میں نکلنے، مال خرچ کرنے اور جان پیش کرنے کی فضیلت آئی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ اس (دین) کی اصل اسلام ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کی چوٹی ہے۔ (جامع ترمذی: 524)۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ ترجمہ: "کوئی شخص ایسا نہیں جو جنت میں داخل ہونے کے بعد واپس دنیا میں لوٹنے کی خواہش کرے، اگرچہ اسے دنیا کی ہر چیز دینے کی پیش کش کر دی جائے، مگر شہید، وہ دس بار یہ چاہے گا کہ دنیا میں واپس آئے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں اپنے اجر کو دیکھنے کی وجہ سے ہوگا"۔ (صحیح بخاری: 2817)

جہاد کی اقسام

اسلام میں جہاد کا تصور بہت وسیع ہے۔ ذیل میں اس کی اہم اقسام کا مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱۔ **جہاد بالسیف:** اس سے مراد دین اور وطن کے دفاع کے لیے لڑائی میں حصہ لینا ہے، اسے بدنی جہاد بھی کہا جاتا ہے۔ جہاد کی یہ صورت اللہ کے نزدیک سب سے افضل ہے اور اس کا بہت زیادہ اجر ہے کیونکہ اس میں انسان اپنی جان کو دین کے دفاع کے لیے پیش کرتا ہے۔ اس راستے میں اگر اس کی جان چلی جائے تو وہ شہید کہلاتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ مجاہد اگر جنگ میں سرخرو ہو جائے اور زندہ بچ کر واپس آئے تو اسے غازی کا معزز لقب ملتا ہے اور اس کے لیے بھی بہت زیادہ اجر ہے۔

۲۔ **جہاد بالنفس:** جہاد بالنفس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کرے اور شریعت کے احکامات کی پابندی کرنے اور برے خیالات کو ترک کرنے کے لیے اپنے نفس کو مجبور کرے۔ اچھے اخلاق کو اختیار کرے اور شریعت نے جو احکامات دیے ہیں، انھیں احسن طریقے سے بجا لانے کی کوشش کرے۔ ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک غزوہ سے واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کو نفس کے خلاف مجاہدہ کی ترغیب دیتے ہوئے اسے جہاد اکبر کے نام سے تعبیر کیا۔ (کنز العمال: 11779)۔

۳۔ **جہاد بالمال:** جہاد بالمال میں انسان دین اسلام اور نیکی کے فروغ کے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر مالی جہاد کا بدنی جہاد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ انسان مال سے بہت محبت کرتا ہے اور اس وجہ سے یہ جہاد انسان کو بہت مشکل لگتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> ترجمہ: بے شک ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول (خاتم النبیین ﷺ) پر ایمان لائے پھر کسی شک میں نہ پڑے اور انھوں نے اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔ (الحجرات: 15)

۴۔ **جہاد باللسان والقلم:** اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان اور قلم سے دین کی اشاعت و تبلیغ کا حق ادا کرے۔ اسے چاہیے کہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے میں تحریر و تقریر کو ذریعہ بنائے، یا جدید ذرائع ابلاغ کی مدد سے دین کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈا کا جواب دے اور دین کی خوبیاں اجاگر کرے، اسے لسانی جہاد کہا جاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے زبان سے جہاد کے متعلق فرمایا "مشرکین سے اپنے مالوں، اپنی جانوں اور اپنی زبانوں سے جہاد کرو" (سنن ابو داؤد: 2504)۔ اسی طرح کفار کے پروپیگنڈا کا جواب اشعار کے ذریعے سے دینے پر آپ ﷺ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ بے شک مؤمن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی (صحیح ابن حبان: 4707)۔ دین و دنیا کا علم حاصل

کرنا اور اس کے ذریعے سے انسانیت، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے اور اسے علمی جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں علماء کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے۔

جہاد اور دہشت گردی۔ پیغام پاکستان

جہاد میں سب سے افضل جہاد بالسیف ہے۔ تاہم اس سلسلے میں احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ جہاد بالسیف سب پر فرض نہیں ہے اور نہ ہی کسی اسلامی ریاست یا معاشرے میں افراد یا گروہ اپنی مرضی سے اس کا اعلان کر سکتے ہیں، بلکہ یہ ریاست کا حق اور اس کی ذمہ داری ہے۔ جہاد بالسیف اسلامی ریاست پر حملہ کی صورت میں اس کے دفاع میں کیا جاتا ہے۔ نیز کسی خطہ میں مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی کوشش کے خلاف یا ان کے علاقوں پر قبضہ کرنے یا ان کو دین سے پھیرنے کے لیے طاقت کے استعمال کرنے کے خلاف کیا جاتا ہے۔ پاکستان کے جید علماء نے جہاد کو قتل و غارت گری سے جوڑنے کی کوششوں اور جہاد کے نام پر ملک میں ہونے والی دہشت گردی کو باطل قرار دیا ہے اور ایک متفقہ فتوی جاری کیا، جس پر ہر مسلک اور طبقہ فکر کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) علماء نے دستخط کیے ہیں۔ اس میں جہاد کے رہنما اصول بیان کیے گئے ہیں، ہمیں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کی رو سے معصوم شہریوں کا خون بہانا اور اسلحہ لے کر ریاست کے خلاف لڑائی کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ فرقہ واریت کو فروغ دینے، امن کے ماحول کو خراب کرنے غیر مسلم شہریوں اور مسافروں یا سیاحوں پر حملہ آور ہونے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نام پر شہریوں کا قانون کو ہاتھ میں لینا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ علماء کی متفقہ رائے کے مطابق ریاست پاکستان کے شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ریاست کے قومی میثاق اور معاہدوں کا احترام کریں کیونکہ یہی دین کی تعلیمات کا تقاضا ہے۔

جہاد کا تصور اپنی وسعت کے ساتھ ہم سے زندگی کے ہر شعبہ میں محنت اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ والدین کی خدمت، اساتذہ کا احترام، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت، برائیوں سے بچنا اور نیکیوں کے لیے کوشش کرنا، نماز روزہ کی پابندی کرنا، اپنے اخلاق کو خوبصورت بنانا اور تعلیم پر توجہ دینا، سب جہاد ہی کی صورتیں ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام کی خوبیوں سے مزین ہوں اور دین کی خدمت کے لیے اس کی تعلیمات کا مطالعہ کریں اور اس پر عمل کریں۔ ہمیں وطن کے دفاع کے لیے اپنے جان و مال کی قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ چاہے افواج پاکستان میں شامل ہو کر سرحدوں کی حفاظت کریں یا ملک کے کسی بھی ادارے میں شامل ہو کر اس کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ یہ سب جہاد ہے اور اصل چیز اللہ کی رضا، خیر خواہی اور قوم و وطن کی خدمت ہے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ جہاد بالسیف کی اجازت دی گئی:

الف۔ ہجرت حبشہ کے بعد　　ب۔ ہجرت مدینہ کے بعد　　ج۔ فتح مکہ کے بعد　　د۔ سفر طائف کے بعد

۲۔ قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر بدنی جہاد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:

الف۔ مالی جہاد کا　　ب۔ جہاد بالقلم کا　　ج۔ جہاد بالنفس کا　　د۔ جہاد بالسیف کا

۳۔ نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسان کے اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کو کس نام سے تعبیر کیا:

الف۔ لسانی جہاد ب۔ علمی جہاد ج۔ جہاد بالسیف د۔ جہاد اکبر

۴۔ دہشت گردی کے خلاف متفقہ فتویٰ کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نام پر شہریوں کا قانون ہاتھ میں لینا ہے:

الف۔ درست ب۔ مطلوب ج۔ ناجائز د۔ افضل

۵۔ اس دین کی اصل اسلام ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کی ہے:

الف۔ جڑ ب۔ چوٹی ج۔ بنیاد د۔ قوت

سوال نمبر ۲: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں۔

۱۔ جہاد کا اصطلاحی معنی بیان کریں۔

۲۔ جہاد بالسیف کی اجازت کب اور کیوں دی گئی۔

۳۔ حدیث مبارکہ میں کسی شہید کی جنت سے دنیا میں لوٹنے کی خواہش کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ جہاد کی اقسام تفصیل سے بیان کریں۔

۲۔ جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے، جہاد کی فرضیت قرآن پاک کی آیات کے حوالے سے بیان کریں۔

۳۔ پیغام پاکستان کے نام سے جاری ہونے والے فتوی کی روشنی میں جہاد کے متعلق پائے جانے والے غلط تصور کو تفصیل سے بیان کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- اسلامی تاریخ میں سے دس بڑے غزوات کی فہرست تیار کریں جس میں ان غزوات کے نام، مقام، سپہ سالار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد، کفار کی تعداد اور نتائج کا ذکر ہو۔
- جہاد کی فضیلت پر قرآنی آیات اور احادیث نبویہ مع ترجمہ پر مشتمل چارٹ بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- پیغام پاکستان کے ضمن میں دیے گئے متفقہ فتویٰ کے نمایاں نکات کمرا جماعت میں سنائے جائیں۔
- جہاد کی اقسام پر کمرا جماعت میں مذاکرہ کروائیں۔

باب ششم

ہدایت کے سرچشمے مشاہیرِ اسلام

حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ

حاصلاتِ تعلّم:

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

حضرت زید بن علیؒ کے مقام و مرتبہ، سیرت و کردار سے واقفیت حاصل کر سکیں اور عملی زندگی میں اُن کی سیرت کو اپنا سکیں۔

علم	صلاحیت
• حضرت زید بن علیؒ کے حالاتِ زندگی جان سکیں۔ • آپؒ کی سیرت و کردار سے آگاہ ہو سکیں۔ • آپؒ کی صفات، علم، تفقہ، عبادت و ریاضت اور دینی و معاشرتی خدمات کے روشن پہلوؤں سے آگاہ ہو کر سبق سیکھ سکیں۔	• حضرت زید بن علیؒ کے اخلاق و صفات سے واقفیت حاصل کر کے ان کو اپنی عملی زندگی میں لائیں۔ • حضرت زید بن علیؒ کی سیرت سے سبق حاصل کر کے اپنی عملی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔

حضرت زید بن علیؒ

تعارف

حضرت زید بن علیؒ کی ولادت باسعادت مدینہ منورہ میں ۸۰ ہجری میں ہوئی۔ آپؒ کی والدہ گرامی کا نام جیدہ یا حوریہ سندھی تھا۔ وہ ایک نیک اور پرہیزگار خاتون تھیں۔ حضرت زیدؒ بہن بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ آپؒ زید شہید کے نام سے معروف ہیں۔ آپؒ کے مشہور القاب حلیف القرآن، اسطوانۃ المسجد، الشہید، اور فقیہ اہلبیت ہیں۔ آپؒ کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے، آپؒ نہایت صالح، متقی اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے صاحب علم و فضل اور ذی وجاہت شخص تھے، آپؒ ان تمام علمی و روحانی اوصاف سے مزین تھے جو اہل بیت کا طرہ امتیاز ہے۔ آپؒ کی ذات گرامی قرآن و حدیث اور فقاہت دین میں امامت کے مرتبہ پر فائز تھی۔ آپؒ نے بچپن میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا اور عمر کا ایک بڑا حصہ قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں غور و فکر میں بسر کیا تھا اور اکثر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔ آپ ایک مخصوص قراءت قرآنی کے بھی ماہرین میں سے تھے۔ اس وجہ سے آپؒ کو حلیف القرآن بھی کہا جاتا تھا۔

علمی کمالات

آپؒ زہد و تقویٰ اور علم و معرفت کے ماحول میں پروان چڑھے اور آپؒ پندرہ سال تک اپنے والد امام زین العابدینؒ کے زیر تربیت رہے اور ۹۵ ہجری میں اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے بھائی حضرت امام باقرؒ کے ساتھ رہے۔ آپؒ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے حدیث کی روایت کی۔ حضرت امام زیدؒ کا شمار مدینہ کے بزرگ علماء و اکابرین میں ہوتا ہے۔ مختلف علوم و فنون دینیہ کے ماہر تھے۔ آپ کو قراءت، علوم قرآنیہ، عقائد و نظریات اور علم کلام پر مکمل دسترس حاصل تھی۔

حضرت زیدؒ بچپن ہی سے بہت ذہین اور لائق تھے۔ آپؒ نے اپنے والد گرامی کے زیر سایہ علم و معرفت کی منازل طے کیں۔ جب آپؒ کوفہ تشریف لائے تو فقہائے کوفہ جیسے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، ابو حنیفہ، وسفیان ثوری، سلیمان الاعمش رحمہم اللہ علیہم کے ساتھ علمی مذاکرات میں شریک رہے تھے اور ان سب نے آپؒ سے علمی استفادہ کیا۔ امام جعفر الصادقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم وہ اللہ کی کتاب کا علم رکھنے والے،

اس کے دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور سب سے زیادہ رشتہ داری کا حقوق رکھنے والے تھے۔ انھوں نے دنیا و آخرت کی رہنمائی کے لیے ہمارے درمیان اپنے جیسا کوئی (صاحب علم و کمال) نہیں چھوڑا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں امام زید رحمۃ اللہ علیہ سے افضل، زیادہ صاحب علم، زیادہ بہادر، اور زیادہ نیک انسان کسی خاتون نے جنم نہیں دیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار آپ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے زید بن علی ابن الحسین رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ، عالم اور فصیح و بلیغ کسی کو نہیں پایا۔

صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں آپ سے کثیر روایات مروی ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی ایک کتاب "مسند امام زید رحمۃ اللہ علیہ" بھی مروی ہے جسے "المجموع" بھی کہا جاتا ہے۔

سیرت و کردار

حضرت امام زید رحمۃ اللہ علیہ بہت خوبصورت اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ روحانی کمالات و معنوی جمالات کے ساتھ ساتھ شجاعت حیدر کرّار رضی اللہ عنہ کے بھی وارث تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ لوگوں کو کتاب و سنت کی پیروی اور ظالموں سے جہاد اور محروم افراد کی حمایت اور ضرورت مندوں کی دستگیری کی دعوت دیتے تھے۔ علم، اخلاق اور عبادت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا خاصہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ زہد، تقویٰ اور سخاوت میں مشہور تھے بلکہ بہادری اور شجاعت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ احکام الٰہی اور شرعی مسائل پر عبور تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خوف خدا سے اس قدر متاثر ہوتے کہ آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے۔ بارگاہ خدا میں جب دعا و مناجات کرتے تو اس میں غرق ہو جاتے تھے۔ یحییٰ بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے عبادت گزار تھے کہ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور دنوں میں روزے رکھتے تھے۔

اقامتِ دین

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے 122 ہجری میں کوفہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے خروج کیا۔ ہشام بن عبد الملک کی حکومت کے زمانے میں ملک افتراق و انتشار کا شکار تھا۔ حکومت کے مظالم زوروں پر تھے۔ چناں چہ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت وقت کے خلاف حق و صداقت کا علم بلند کیا اور لوگ جوق در جوق آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کرنے لگے۔ اہل کوفہ میں سے تقریباً چالیس ہزار نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور انھیں بھی ظلم کے خلاف جہاد کرنے کی دعوت دی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مالی مدد روانہ کی اور اپنی استطاعت کے مطابق ان کی معاونت کی۔ والی کوفہ جب مقابلہ کے لیے آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حامیوں کی بڑی تعداد کو مسجد میں محصور کر لیا گیا۔ تاہم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی اور نہایت ثابت قدمی سے میدان جنگ میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک تیر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی میں لگا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت 3 صفر 122 ہجری میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار کوفہ سے 30 کلو میٹر کے فاصلے پہ "الکفل" نامی شہر میں ہے۔

حضرت زید الشہید رحمۃ اللہ علیہ نے علمی، روحانی و فکری خدمات کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف و نہی المنکر کے قرآنی حکم و اسوہ نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ظلم و جور کی قوتوں سے مقابلہ کیا اور میدان کارزار میں جام شہادت نوش فرما کر اپنے دادا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرح زندہ جاوید بن گئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا اہل خراسان پر بہت اثر پڑا آخر کار انھوں نے 132 ہجری میں حکومت وقت کا تختہ الٹ دیا۔ جس کے بعد عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی۔

حضرت زید الشہید رحمۃ اللہ علیہ کے جہاد کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور ظلم کے خلاف جدوجہد اور کمزوروں کے خلاف دفاع تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علم، عبادت

اخلاق اور جدوجہد ہمارے لیے ایک روشن مثال ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی علم اور اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔ اور صبر واستقامت کے ساتھ حق کی خاطر ڈٹ جائیں، معاشرے کی اصلاح اور برائی کے خلاف جدوجہد کو اپنا نصب العین بنائیں۔ اپنی جان، مال اور وقت کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی راہ میں صرف کریں اور دین کی خدمت واشاعت کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہوئی:

الف۔ 120 ہجری ب۔ 121 ہجری ج۔ 122 ہجری د۔ 123 ہجری

۲۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار نامی شہر میں ہے:

الف۔ کوفہ ب۔ بصرہ ج۔ الکفل د۔ نجف

۳۔ حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ حکومتِ وقت کس وجہ سے شکست نہ دے سکے؟

الف۔ اسلحہ کی کمی ب۔ لشکر کی کمی ج۔ حامیوں کی محصوری د۔ نظم وضبط کا فقدان

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کہاں دفن ہوئے؟

۲۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق عبادت کے بارے میں لکھیں۔

۳۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام لکھیں۔

۴۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے کن فقہا نے استفادہ فرمایا؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و روحانی کمالات بیان کریں۔

۲۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی اقامت دین کی کوششوں کے بارے میں لکھیں۔

۳۔ حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے ہم کیا عملی سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ پر مشتمل معلوماتی چارٹ بنائیں جس میں ان کا اسم گرامی، ولدیت، پیدائش، القابات، عمر، مروی احادیث کی تعداد اولاد، وفات اور امتیازی خصوصیات شامل ہوں۔

برائے اساتذہ کرام

- حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، دینی اور جہادی خدمات پر مذاکرہ کروائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور سیرت و کردار سے واقفیت حاصل کر سکیں اور عملی زندگی میں ان کے کردار کو اپنا سکیں۔

علم

- حضرت عمرو بن العاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے حالات زندگی سے اجمالی طور پر واقف ہو سکیں۔
- تربیتِ نبوی ﷺ کے نتیجے میں اُن کے امتیازی پہلوؤں سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
- حضرت عمرو بن العاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے اخلاق و صفات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سفارت کاری کی صفت سے آگاہ ہو سکیں۔
- قرآن مجید اور حدیثِ نبوی کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی دینی و جہادی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی علمیت اور جہاد فی سبیل اللہ سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرگان کی کفالت کے واقعے کو جان سکیں۔
- حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت حدیث کے واقعات کا جائزہ لے سکیں۔
- نبی کریم ﷺ کی خدمت کے صلہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ملنے والی دعا کے متعلق جان سکیں۔

صلاحیت

- حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں سے سبق حاصل کر سکیں۔
- حضرت عمرو بن العاص، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی اعلاء کلمۃ اللہ اور دینی خدمات کے لیے جدوجہد سے آگاہ ہو کر دین کی خدمت کرنے والے بن سکیں۔
- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علم، تفقہ اور اخلاق سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو اُن کے مطابق ڈھال سکیں۔
- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے کردار بالخصوص بچپن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے متعلق جان کر سبق حاصل کر سکیں۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

تعارف

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر اور صحابی رسول ﷺ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام عمرو، ابو عبداللہ اور ابو محمد کنیت تھی، والد کا نام عاص اور والدہ کا نام نابغہ، تھا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خاندان "بنو سہم" زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا، قریش کے سیاسی نظام میں مقدمات کا عہدہ اسی خاندان میں تھا۔

قبولِ اسلام

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے بعد اسلام سے متاثر ہوئے۔ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر سے اسلام کی حقیقت ان پر ظاہر ہونے لگی۔ اس دوران میں شاہ حبشہ نجاشی کے پاس گئے تو انھوں نے پیغمبر ﷺ پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور کہا کہ عمرو! میرا کہنا مانو اور ان کی پیروی کر لو،

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک حق پرست پر اسلام لانے کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مکہ مکرّمہ سے آتے ہوئے ملے، وہ بھی اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ منورہ جا رہے تھے، چناں چہ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، پھر میں نے قریب ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں بیعت کروں گا، لیکن اس شرط پر کہ میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "عمرو بیعت کر لو اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔ چناں چہ اس پر میں نے بیعت کر لی۔ قبول اسلام کے بعد مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور جلد ہی ہجرت کر کے مدینہ منورہ واپس چلے آئے۔

دینی و جہادی خدمات

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے صحیفۂ حیات میں جہاد فی سبیل اللہ کا عنوان بہت نمایاں ہے۔ مدینہ میں ذرا بھی کوئی خطرہ پیدا ہوتا، فوراً ان کی تلوار میان سے نکل آتی تھی۔ قبول اسلام کے بعد کفر و شرک کی مخالفت میں شد و مد سے کمربستہ ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے عمرو بن العاص ؓ کو ذات السلاسل قبیلہ بلی اور عذرہ کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا تھا، تاکہ وہ ان کو اسلام کی طرف راغب کریں۔

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے بنو ہذیل کے بت سواع کو گرانے کے لیے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو متعین کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر اس بت کو مسمار کر دیا۔ اس طرح عمان کے حاکموں عبید و جیفر کے پاس نبی کریم ﷺ کے دعوتی خطوط لے جانے کی خدمت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، جس پر وہ دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہاں کا عامل مقرّر کر دیا، وہ وفات نبوی تک یہیں مقیم رہے۔

عہد صدیقی میں انھوں نے دمشق، فلسطین، شام وغیرہ کے علاقے فتح کیے اور مصر کی طرف پیش قدمی کی اور مصر و اسکندریہ پر پورا تسلط حاصل کیا۔

اخلاق و عادات

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت کی شہادت خود پیغمبر ﷺ سے اس طرح مروی ہے: عاص کے دونوں بیٹے ہشام اور عمرو مومن ہیں۔ (مسند احمد حدیث 7699)۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قریش کے صالح افراد میں ہیں (سنن ترمذی: 3780)۔ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں بہت فراخدلی کے ساتھ صدقہ دیتے تھے۔ اس کی تعریف خود نبی کریم ﷺ نے فرمائی اور ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا فرمائی- آپ رضی اللہ عنہ طبعاً حق پرست تھے اور حق بات بے دھڑک کہہ دیتے تھے۔

علم و اجتہاد

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو قرآن سے خاص ذوق تھا، اور قرآن بہت صاف اور واضح پڑھتے تھے۔ تمام مسائل میں علی الترتیب قرآن و حدیث سے رہنمائی لیتے تھے، اس کے بعد اجتہاد سے کام لیتے، جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ تعلیم و تلقین کا فرض بھی انجام دیتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد 39 ہے، حدیث کے اس سرمایہ کو تنہا اپنی ذات تک محدود نہ رکھا، بلکہ دوسرے مسلمانوں تک پہنچایا، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی کافی ہے، سریہ ذات السلاسل میں کامیابی کے بعد وہیں مقیم ہو کر نو مسلموں کو تعلیم دیتے رہے۔ فصاحت، بلاغت اور ادب و انشا میں ذوق سلیم پایا تھا، اپنے عہد کے بہترین انشا پردازوں میں تھے۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ رضی اللہ عنہ کی فصاحت و بلاغت کی بہت سے مثالیں مذکور ہیں۔

تدبیر وسیاست

عقل ودانش اور تدبیر سیاست کے لحاظ سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا شمار ان مخصوص اشخاص میں ہوتا تھا جو سارے عرب میں مدبر مانے جاتے تھے، ان کی اصابت رائے کی خود آنحضرت ﷺ نے تعریف فرمائی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اسی تدبیر وشجاعت کی بنا پر اکثر بڑی مہمیں ان کے سپرد فرماتے تھے۔

وفات

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یکم شوال 43ھ بمطابق 663ء میں مصر ہی میں گورنر کے عہدے پر رہتے ہوئے بیمار ہوئے، اور لا الہ الا اللہ کہتے کہتے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی، اسی برس عمر پائی۔ نماز عید الفطر کے بعد آپ کے صاحبزادہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور مقطم میں سپرد خاک کیے گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

تعارف

حضرت جابر بن عبد اللہ الأنصاری رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کنیت ابو عبداللہ ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام نسیبہ تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ہجرت رسول ﷺ سے پہلے مسلمان ہوئے اور دوسری بیعت عقبہ میں رسول خدا ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان بارہ نقیبوں میں سے ایک تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے قبیلوں کے نمائندوں کے طور پر مقرر کیا تھا۔

حالات زندگی

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہجرت سے پندرہ سال پہلے مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے۔ اس بیعت میں ان کی عمر 18 یا 19 سال کی تھی۔ غزوہ احد میں آپ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ان پر کافی قرض تھا۔ کل دو باغ تھے لیکن ان کی پیداوار قرض کی ادائی کے لیے کافی نہ تھی۔ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے اور صورت حال عرض کی۔ آپ ﷺ خود تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیر کے پاس بیٹھ کر دعا کرتے رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے قرض داروں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اللہ تعالی کی قدرت سے قرض کی ادائی کے بعد بھی بچ گیا اور حضور ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

غزوات

غزوہ احد کے بعد غزوہ حمراء الاسد پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق احد کے شرکاء کے سوا کسی کو بھی حمراء الاسد میں شرکت کی اجازت نہ تھی تاہم غزوہ احد میں شریک نہ ہونے کے باوجود حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شرکت کی اجازت مل گئی۔ اس کے بعد باقی غزوات میں آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت گرم جوشی سے شرکت کی۔ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کو 19 غزوات میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ بیعت رضوان میں بھی شریک تھے۔ اس کے بعد غزوہ حنین، تبوک اور حجۃ الوداع میں بھی شامل تھے۔

صفات واخلاق

سنہ 3ھ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سُہیمہ بنت مسعود نامی بیوہ خاتون سے شادی کی تاکہ والد کی شہادت کے بعد اپنی 9 بہنوں کی بہتر سرپرستی کر سکیں۔ اپنی بہنوں کی کفالت فرماتے رہے۔ نبی کریم ﷺ اس وجہ سے ان پر بہت شفقت فرماتے اور ان سے حسن سلوک کرتے۔

ایک مرتبہ ان کے حق میں پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا فرمائی۔ مذہبی جوش اور حرارت بھی نہایت نمایاں تھی۔ ایک میل سفر کر کے پنج وقتہ نماز پڑھنے آتے تھے۔ متعدد حج کیے تھے۔ سنّت کی پیروی کا بہت اہتمام کرتے تھے۔

علمی مقام

حضرت جابر رضی اللہ عنہ صحابہ کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بکثرت حدیثیں نقل کی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فقہی احکام میں صاحب رائے تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے۔ انھیں صاحب فتوی مجتہد اور فقیہ صحابہ میں شمار کیا گیا ہے۔ تحصیل علم کا اس قدر شوق تھا کہ ایک ایک حدیث سننے کے لیے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حدیث تھی، وہ شام میں رہتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا، تو ایک اونٹ خریدا اور ان کے پاس جاکر کہا کہ وہ حدیث بیان کیجیے میں نے اس لیے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور حدیث سننے سے رہ جاتی۔ اسی طریقہ سے امیر مصر حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے کے لیے مصر کا سفر کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ دینی معارف و تعلیمات حاصل کرنے کے اس قدر طالب و مشتاق تھے کہ آخر عمر میں مکہ مکرمہ میں مقیم ہوئے تاکہ وہاں رہ کر بعض حدیثیں سن لیں۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے۔ حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا۔ شائقین دور دراز مقامات سے آتے تھے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر اور دمشق میں ان کا دریائے فیض رواں رہا۔ تفسیر و حدیث و فقہ کمالات کے مظہر تھے۔ حدیث ان کی تمام کوششوں کا محور ہے، اشاعت حدیث ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا۔ کثرت حدیث کے باوجود بیان حدیث میں نہایت احتیاط و حزم سے کام لیتے تھے۔ تلامذہ حدیث اتنے زیادہ ہیں کہ تابعین کا ہر طبقہ ان کے فیض کا خوشہ چین ہے، فقہ بھی ان کی علمی موشگافیوں کا مظہر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ سے 1500 سے زائد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیفۂ جابر تدوین حدیث کی قدیم ترین صورت ہے۔

وفات

حضرت جابر رضی اللہ عنہ عمر کے آخری حصے میں ایک سال تک مکہ میں بیت اللہ کی مجاورت میں مقیم رہے۔ انھوں نے چورانوے سال کی عمر میں 78ھ بمطابق 697ء میں وفات پائی اور والی مدینہ ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

تعارف

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابی اور خادم خاص تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو حمزہ، لقب خادم رسول اللہ ﷺ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ قبیلہ نجار سے ہیں، جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے والد ماجد کا نام مالک بن نضر اور والدہ ماجدہ کا نام اُم سلیم سہلہ بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے دس سال پیشتر مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے نام پر رکھا گیا تھا لیکن کنیت آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمائی۔

خدمت نبوی

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انس رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی میں لے لیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے اسے منظور فرمالیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ وہ کم و بیش دس برس نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ اس شرف پر ان کو ناز رہا۔ آنحضرت ﷺ کے احکام کی تعمیل کے لیے ہر وقت حاضر رہتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام کام نہایت مستعدی اور تن دہی سے بجالاتے اور اپنی فرماں برداری سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خوش رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کی لیکن اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی خفا نہ ہوئے اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ کیوں نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان سے خاص محبت تھی۔ ان کے لیے خصوصی دعا کرتے۔ کبھی ان کو "اے میرے بیٹے" یا "انیس" کہہ کر مخاطب فرماتے تھے، کبھی کبھی از راہ شفقت مزاح بھی فرماتے۔

غزوات

بارگاہ اقدس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وہ قرب حاصل تھا کہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شریک صحبت رہتے تھے، یہی جوش محبت تھا جس نے میدان جنگ میں بھی آقا سے علیحدہ نہ ہونے دیا، غزوہ بدر میں ان کی عمر 12 برس تھی لیکن مجاہدین اسلام کے پہلو بہ پہلو میدان جنگ میں موجود تھے۔ ابتدائی غزوات میں کم عمری کی وجہ سے نبرد آزمائی کے قابل نہ تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں خدمت گذاری کا فرض بجا رہے تھے۔ غزوہ خیبر، حنین اور حجۃ الوداع وغیرہ ان سب واقعات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے شرکت کی اور سعادت دنیوی اور اُخروی سے بہرہ اندوز ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، تو انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین میں صدقات کا عامل بنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ کو تعلیم فقہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ بصرہ روانہ کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور زندگی کا بقیہ حصہ یہیں بسر کیا۔ ان مشاغل کے علاوہ اس عہد کی جنگوں میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خاص طور سے حصہ لیا ہے۔

صفات و اخلاق

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نفاست اور پاکیزگی تھی۔ کھانے اور پہننے میں باذوق تھے۔ خوشبو کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ ایک باغ نہایت اہتمام سے لگایا تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ طبیعت فیاض اور سیر چشم واقع ہوئی تھی، ہر عمل میں سنت کا اہتمام فرماتے۔ آپ کی طبیعت میں انکسار و تواضع تھی۔ لوگوں سے نہایت بے تکلفانہ ملتے تھے، شاگردوں سے بھی چنداں تکلف نہ تھا۔ تحمل اور بردباری بھی ان میں انتہا درجہ کی تھی، وہ جس رتبہ کے شخص تھے، اسلام میں ان کا جو اعزاز تھا، حامل نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں ان کو جو تقرب حاصل تھا۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ ہر شخص ان کو محبت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ شجاعت و بسالت کا کافی حصہ پایا تھا، وہ بہت بڑے شہسوار تھے۔ تیر اندازی میں ان کو خاص ملکہ تھا اور گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔

حُبِ رسول، اتباعِ سنّت، امر بالمعروف، حق گوئی، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خاص اوصاف تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک اکثر محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کرتے تھے اور فرط محبت سے بے قرار ہو جاتے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کر رہے تھے، تو فرمانے لگے کہ قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سامنا ہو گا تو عرض کروں گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادنیٰ غلام انس رضی اللہ عنہ حاضر ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہر مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر خیر سے لبریز ہوتی تھی۔ اظہار حق گوئی اور حق پسندی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے نمایاں اوصاف ہیں، وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواکیے بغیر حق کا اظہار کرتے تھے، اور مجمع عام میں امراء کو تنبیہ کرتے تھے۔ کسی موقع پر بھی تعلیم دین اور تبلیغ سنت سے غافل نہ رہتے تھے۔

علمی مقام

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تمام عمر اہتمام سے نشر حدیث کی خدمت ادا کی۔ احادیث کے بیان کرنے میں نہایت احتیاط کرتے تھے۔ آپ کے حلقۂ درس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ اور شام کے طلبہ شامل تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کثیر الحدیث صحابہ میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے بعض بزرگ علم حدیث کے امام ہو کر نکلے اور آسمان حدیث کے مہر و ماہ ثابت ہوئے۔ علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کمال حاصل تھا، فقہائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا شمار دوسرے طبقہ میں ہے۔

اہل و اولاد

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے کثرت اولاد کی یوں دعا فرمائی اے اللہ اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما اور اسے جنت میں داخل فرما۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ دو باتیں پوری ہوئیں، اور تیسری کا منتظر ہوں۔ مال کی یہ حالت تھی کہ انصار میں کوئی شخص ان کے برابر متمول نہ تھا، اولاد کی اتنی کثرت تھی کہ وفات کے وقت بیٹوں اور پوتوں کا شمار 100 سے اوپر تھا۔

وفات

93ھ بمطابق 711ء میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو اپنے شاگرد خاص ثابت بنانی رحمہ اللہ سے فرمایا کہ میری زبان کے نیچے آنحضرت ﷺ کا موئے مبارک رکھ دو، ثابت رحمہ اللہ نے تعمیل حکم کی اسی حالت میں روح مطہر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں ہوئی اور اس وقت عمر مبارک 103 سال تھی۔ قطن بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے گھر کے قریب موضع طف میں دفن کیے گئے۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت ہمارے لیے اسوہ ہے۔ ان کی پیروی میں ہمارے لیے دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے یہ حضرات ایمانی صفات سے مزین تھے۔ علم، زہد و تقویٰ، ذوق عبادت، اطاعت دین اور دعوت و تبلیغ جیسی صفات ان کی حیات کے ہر پہلو سے نمایاں تھیں۔ ان کی زندگیاں قرآن و سنت کی عملی تصویر تھیں۔ ان کی زندگیوں سے ہمیں نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور دین کی خدمت کے لیے ہمہ وقت تیار رہنے کا سبق ملتا ہے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زندگی کے ہر میدان میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر نہ صرف خود عمل کیا بلکہ دوسروں تک انھیں پہنچانے کی بھرپور سعی کی۔ ہمیں ان کی زندگی سے دین کی خدمت اور احیا کے لیے مسلسل کوشش اور آپ ﷺ کی ذات اقدس سے محبت و الفت کا عملی سبق سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر کتنی تھی:

الف- 100 سال　ب- 101 سال　ج- 102 سال　د- 103 سال

۲۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا لقب ہے:

الف- فاتح شام　ب- فاتح عراق　ج- فاتح مصر　د- فاتح جزیرۃ

۳۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کس بت کو ڈھایا تھا:

الف۔ سواع　　ب۔ یغوث　　ج۔ یعوق　　د۔ نسر

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مزار واقع ہے:

الف۔ کوفہ　　ب۔ بصرہ　　ج۔ طف　　د۔ فسطاط

۵۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کس سن ہجری میں وفات پائی:

الف۔ 76 ہجری　　ب۔ 77 ہجری　　ج۔ 78 ہجری　　د۔ 79 ہجری

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ لکھیں۔

۲۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دو احادیث لکھیں۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ سے محبت کے بارے میں لکھیں۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت نبوی ﷺ کے بارے میں تحریر کریں۔

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اپنی ہمشیرگان کی کفالت کا تذکرہ کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور فتوحات کے بارے میں لکھیں۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے طلب علم اور روایت حدیث کے بارے میں لکھیں۔

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صفات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات طیبہ پر مشتمل معلوماتی چارٹ بنائیں جس میں ان کا اسم گرامی، ولدیت، پیدائش، القابات، عمر، مروی احادیث کی تعداد اور اولاد، وفات اور امتیازی خصوصیات شامل ہوں۔

برائے اساتذہ کرام

- مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی اور سیرت و کردار پر ذہنی آزمائش کا مقابلہ منعقد کروایا جائے۔ طلبہ کو مذکورہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات کی روشنی میں تدوین حدیث کے بارے میں بتائیں۔

صحابیات کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہن

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

حضرت اُمّ ایمن ﷞، حضرت اُمّ عمارہ ﷞، حضرت اَسماء بنت ابی بکر ﷞ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو کر عملی زندگی میں اُن کے اسوہ کو اپنا سکیں۔

علم

- مذکورہ صحابیات کے حالاتِ زندگی اور مقام و مرتبہ سے واقف ہو سکیں۔
- مذکورہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی سیرت و معاشرتی کردار سے واقف ہو سکیں۔
- ان صحابیات کی دینی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- مذکورہ صحابیات کے معاشرتی کردار کے بارے میں جان کر اپنی عملی زندگی میں ان کے اُسوہ کی پیروی کر سکیں۔
- ان کی دینی خدمات سے متاثر ہو کر دینی جذبے سے سرشار ہو کر معاشرے میں کردار ادا کر سکیں۔

حضرت اُمّ ایمن ﷞

تعارف

حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کا اصل کا نام برکہ بنت ثعلبہ تھا آپ کی کنیت اُمّ ایمن، اور عرف اُمّ الظباء ہے۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے والد بزرگوار حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی کنیز تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں۔ ام ایمن ﷞ حضور ﷺ کی رضاعی والدہ بھی ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: اُمّ اَیْمَن میری ماں کے بعد میری ماں ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ بی بی حلیمہ ﷞ کے گھر سے اپنی والدہ محترمہ کے پاس واپس آئے تو ام ایمن ﷞ نے آپ ﷺ کی دیکھ بھال فرمائی۔ یہ آپ ﷺ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

حالات زندگی

بعثت نبوی کے بعد اُمّ ایمن ﷞ نے ابتدا میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ام ایمن ﷞ کا نکاح عبید بن زید سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح پڑھایا جو حضور اکرم ﷺ کو بہت عزیز تھے۔ ان سے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کو ان سے بھی بہت محبت تھی۔

آپ ﷞ روزہ دار، نہایت عبادت گزار اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کے خوف سے گریہ وزاری کرنے والی خاتون تھیں۔ ہجرت نبوی کے موقع پر سخت گرمی میں پیدل مکّۂ مکرّمہ سے مدینہ مُنوّرہ ہجرت کی، روزے سے تھیں۔ راستے میں اتنی سخت پیاس محسوس ہوئی کہ قریب تھا انتقال ہو جاتا۔ فرماتی ہیں کہ جب سُورج غروب ہو گیا تو میں نے دیکھا سفید رسّی سے بندھا ہوا پانی کا ایک ڈول آسمان سے لٹک رہا تھا جب قریب ہوا تو میں نے اسے پکڑ کر سیر ہو کر پیا، اس کے بعد میں سخت گرمی کے دن روزہ رکھتی دھوپ میں طواف کرتی تھی لیکن پھر بھی پیاس نہ لگتی تھی۔ (طبقات ابن سعد 224/8) آپ ﷞ نے غزوۂ اُحد میں شرکت کی اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں، غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

حضور اکرم ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے کہ ام ایمن ﷞ میری ماں ہیں، اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک بار ام ایمن ﷞ نے آٹا چھانا اور اس کی چپاتیاں تیار کر کے، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ بولیں

ہمارے ملک میں اس کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ ﷺ کے لیے بھی اس قسم کی چپاتیاں تیار کروں لیکن آپ ﷺ سادہ لیکن غذائیت سے بھرپور کھانا پسند فرماتے تھے اس لیے فرمایا کہ آٹے میں چوکر ملالو پھر گوندھو۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کو حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ پر ایک قسم کا ناز تھا اور آپ ﷺ ان کی ناز برداری فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کی خوشنودی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ انھیں "ماں" کہہ کر مخاطب کرتے۔ ایک موقع پر جنت کی بشارت دیتے ہوئے انھیں جنتی خاتون قرار دیا۔

اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا 20 برس تک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں۔ جنگ موتہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اُنھوں نے نکاح نہیں کیا۔ حضور اکرم ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حضرت انس بن مالک، حنش بن عبد اللہ صنعانی اور ابو یزید رضی اللہ عنھم داخل ہیں۔

11ھ میں حضور اکرم ﷺ نے انتقال فرمایا تو اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں۔ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے، فرمایا کہ "مجھے یہ خوب معلوم ہے۔" لیکن رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے۔

بی بی ام ایمن رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کے بعد کافی دنوں تک مدینہ میں زندہ رہیں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی اپنی خلافتوں کے دوران میں بی بی ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت و ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ان کی خبر گیری فرماتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دَور میں مدینہ منوّرہ میں وفات پائی اور جنّت البقیع میں تدفین ہوئی۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا

تعارف

نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھیں۔ آپ کی کنیت اُمِ عمارہ ہے۔ پہلا نکاح زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے ہوا، پھر غزِیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ اپنے شوہر حضرت غزِیہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعتِ عقبہ میں شرکت کی۔ بیعتِ عقبہ میں 73 مرد اور دو عورتیں شامل تھیں، اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔

حالاتِ زندگی

آپ رضی اللہ عنہا غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں۔ جب تک مسلمان فتح یاب تھے، وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں، لیکن جب سخت وقت آیا تو حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ ایک مشرک نے آکر آپ رضی اللہ عنہا پر حملہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جواباً ایسا وار کیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آ گرا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ اپنی والدہ کی مدد کرو۔ انھوں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اسے جہنم رسید کر دیا۔ عین اسی لمحے دوسرا مشرک آیا اس نے حملہ کر کے بیٹے کا بازو زخمی کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے زخم پر پٹی باندھی اور فرمایا جاؤ جب تک دم ہے جا کر لڑو۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا اے ام عمارہ رضی اللہ عنہا جتنی تجھ میں طاقت ہے اور کس میں ہو گی؟

کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اُحد میں ان کو اپنے دائیں اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ابن قمۂ جب گرجتا ہوا حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے بڑھ کر روکا۔ چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور نشان پڑ

گیا، انھوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا، اُحد کے بعد بیعتِ رضوان، خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انھوں نے کھانا پیش کیا ارشاد ہوا: ''تم بھی کھاؤ،'' بولیں: میں روزہ سے ہوں۔ حضور اکرم ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو جنت میں آپ ﷺ کی خدمت گزاری کا شرف عطا فرمائے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ان کے لیے اور ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کے لیے اس طرح دعا فرمائی کہ ''یااللہ عزوجل! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا دے''۔ عمارہ رضی اللہ عنہا زندگی بھر یہ کہتی رہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے بعد دنیا میں بڑی سے بڑی مصیبت بھی مجھ پر آجائے تو مجھ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد 415/8)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی، مسیلمہ کذّاب جھوٹے مدعیٔ نبوّت سے مقابلہ تھا۔ اُمِّ عمارہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے حبیب رضی اللہ عنہ کو لے کر روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے بیٹے کو شہید کر دیا تو انھوں نے منت مانی کہ یا تو مسیلمہ قتل ہوگا یا وہ خود جان دے دیں گی۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ 12 زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا، اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں، جو عباد بن تمیم، عکرمہ، حارث، ابن کعب لیلی اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہیں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

تعارف

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ آپ کا لقب ذات النطاقین ہے۔ ہجرت سے 27 سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی جو حضور اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے فرزند ہیں۔

> غار ثور میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کھانا پہنچاتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے ازار کو دو حصوں میں تقسیم کر کے اُس سے زاد طعام کو باندھا، عربی میں ازار کو نطاق کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے آپ رضی اللہ عنہا کا لقب ذات النطاقین ہے۔

حالاتِ زندگی

ہجرت کے بعد مہاجرین کے یہاں کچھ دنوں تک اولاد نہیں ہوئی تو یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی بلکہ بعض یہودیوں نے یہ بھی کہا کہ ہم لوگوں نے ایسا جادو کر دیا ہے کہ کسی مہاجر کے گھر میں بچہ پیدا ہی نہیں ہوگا۔ اس وقت سب سے پہلے جو بچہ مہاجرین کے ہاں پیدا ہوا وہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تھے۔ پیدا ہوتے ہی حضرت بی بی اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے فرزند کو بارگاہ رسالت ﷺ میں پیش کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی گود میں لے کر کھجور منگائی اور خود چبا کر کھجور کو اس بچے کے مُنہ میں ڈال دیا اور عبد اللہ نام رکھا اور خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنے بچے کے اس شرف پر بڑا ناز تھا۔

آپ رضی اللہ عنہا نہایت متواضع اور صابر تھیں، محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا۔ ان کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں بہت

ہی غریب تھے حضرت بی بی اسماء ﷺ جب ان کے گھر میں آئیں تو گھر میں کوئی خادم نہ تھا۔ گھر کا سارا کام کاج خود ہی کیا کرتی تھیں یہاں تک کہ اونٹ، گھوڑے کا گھاس دانہ اور اس کے کام وغیرہ خود انجام دیا کرتی تھیں۔

یہ محنتی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی بہادر خاتون تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت مدینہ کے وقت آپ ﷺ اور اپنے والد رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں کھانا پہنچاتی رہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی لیکن حضرت اسماء ﷺ نے اس کے بعد اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی۔

صفات و اخلاق

حضرت اسماء ﷺ نیکی کی طرف مائل رہتی تھیں، ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے، نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماء ﷺ کو غش آگیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔ (صحیح بخاری: 84) ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ حق گوئی ان کا خاص شعار تھا اور حد درجہ خوددار اور نہایت صابر تھیں، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے مقابلے میں شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے جس عزم، استقلال اور صبر و تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں۔

غربت کی وجہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے سمجھایا کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا، اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہوگئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں۔ حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں کچھ زمین چھوڑی تھی جوان کے حصہ میں آئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر کے کل رقم عزیز رشتہ داروں میں تقسیم کر دی۔ بیمار ہوتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں۔ ان کی والدہ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، ایک مرتبہ مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماء ﷺ نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہیں؟ ارشاد ہوا: ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

حضرت اسماء ﷺ نے کئی حج کیے۔ پہلا حج آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔ اس کے واقعات ان کو بالکل یاد تھے۔ جب کبھی وہاں سے گزرتیں تو ان واقعات کو سناتیں۔ حضرت اسماء ﷺ کے تقدس کا عام چرچا تھا، لوگ ان سے دعا کراتے تھے، گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تو حضور اکرم ﷺ کا جبہ دھوتیں (جس کو حضرت عائشہ ﷺ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) اور اس کا پانی پلاتی تھیں، اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ سے حضرت اسماء ﷺ نے 56 حدیثیں روایت کی ہیں، جو کتب حدیث میں موجود ہیں۔ تقریباً سو سال کی عمر میں جمادی الاول 73 ہجری میں انتقال ہوا۔ مکہ مکرمہ کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں جس طرح خدا پرستی کا مثالی جذبہ مردوں میں پیدا ہوا اسی طرح خواتین میں بھی انقلابی روح پیدا ہوئی۔ صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت اور آپ ﷺ کی مثالی تربیت کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہو کر دیگر خواتین کے لیے نجوم ہدایت بن گئیں۔ ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام کے لیے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی۔ کفار کے ظلم و ستم کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ صحابیات رضوان اللہ علیہن اجمعین نے بھی پوری جرأت کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ اسلام کی راہ میں ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا، مختلف سختیوں اور آزمائشوں کا انھیں شکار بننا پڑا۔ لیکن ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔ وہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کی کامل اتباع پر عمل پیرا تھیں اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں ہر ممکن قربانی دینے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتی تھیں۔ ان کا

جذبہ ایمانی ان کی سیرت واخلاق اور معاشرت ہمارے لیے اسوہ ہے، ہمیں ان کی زندگی سے نبی کریم ﷺ کی محبت، اطاعت اور دین کی خدمت کے لیے جدوجہد کرنے کا سبق ملتا ہے۔

مشق

سوال نمبر ا۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

ا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے وفات پائی:

الف۔ 72 ہجری میں ب۔ 73 ہجری میں ج۔ 74 ہجری میں د۔ 75 ہجری میں

۲۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی قبر مبارک کہاں واقع ہے:

الف۔ البقیع ب۔ المعلیٰ ج۔ نجف د۔ کربلا

۳۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا کیوں فرمایا:

الف۔ ایمان کی وجہ سے ب۔ حاجت کی وجہ سے ج۔ صلہ رحمی کی وجہ سے۔ د۔ مسافر ہونے کی وجہ سے

۴۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کس کی صاحبزادی تھیں:

الف۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ب۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ج۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ د۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

۵۔ یمامہ کی جنگ کن کے ساتھ ہوئی:

الف۔ یہود کے ساتھ ب۔ نصاریٰ کے ساتھ ج۔ منافقین کے ساتھ د۔ نبوت کے جھوٹے مدعیوں کے ساتھ

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

ا۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کی ہجرت کا واقعہ لکھیں۔
۲۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت کا واقعہ لکھیے۔
۳۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے صبر ومشقت کا واقعہ لکھیں۔
۴۔ جنگ یمامہ میں حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کا کردار لکھیں۔
۵۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی ولادت پر مسلمانوں کو خوشی کیوں ہوئی؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

ا۔ حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کی محبت نبوی ﷺ کے واقعات لکھیں۔
۲۔ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت کے بارے میں لکھیں۔
۳۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی صفات واخلاق کا تذکرہ کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مذکورہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی حیات طیبہ پر مشتمل معلوماتی چارٹ بنائیں جس میں ان کا اسم گرامی، ولدیت، پیدائش، القابات، عمر، مروی احادیث کی تعداد، اولاد، وفات اور امتیازی خصوصیات شامل ہوں۔

برائے اساتذہ کرام

- مذکورہ صحابیات رضی اللہ عنہن کی زندگی اور سیرت و کردار پر ذہنی آزمائش کا مقابلہ منعقد کروایا جائے۔ نیز کمرا جماعت میں مذاکرہ کروائیں کہ ہم ان کی سیرت سے کیسے استفادہ کر سکتے ہیں۔

صوفیہ کرام رحمہم اللہ علیہم

حضرت عثمان مروندی المعروف شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید عبداللطیف کاظمی المعروف امام بری رحمۃ اللہ علیہ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

مذکورہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ علیہم کے مقام و مرتبہ سے آگاہ ہو کر عملی زندگی میں ان کے اسوہ کو اپنا سکیں۔

علم

- مذکورہ شخصیات کے حالات زندگی سے اجمالی طور پر واقف ہو سکیں۔
- ان کے اخلاق و صفات اور کردار سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- اشاعتِ اسلام، تصوف، روحانیت اور تزکیہ نفس کے فروغ میں ان کی خدمات سے مختصر طور پر آگاہی حاصل کر سکیں۔
- ان صوفیہ کرام کے پیغام امن و محبت کے بارے میں جان سکیں۔
- ان صوفیہ کرام کی معاشرتی و روحانی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

صلاحیت

- مذکورہ صوفیہ کرام کے دینی، روحانی و معاشرتی کردار کے بارے میں جان کر اپنی عملی زندگی میں ان کے اُسوہ کی پیروی کر سکیں۔
- ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں اور تعلیمات سے سبق حاصل کر کے دنیا و آخرت میں کامیاب ہو سکیں۔
- مذکورہ صوفیہ کرام کی زندگی کا مطالعہ کر کے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔
- اللہ والوں کی صحبت کے فوائد و ثمرات کے بارے میں جان سکیں اور مستفید ہو سکیں۔

تصوّف کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے باطن کی اصلاح کرے، اپنے اندر سے نفسانی آلائشوں کو دور کرے اور دل کی دنیا کو خدا کے تعلق سے آباد کرے۔ تصوف کے ذریعہ سے انسان کی تربیت ہوتی ہے اور انسان روحانی تربیت سے آراستہ ہو کر خود بھی پر امن ہو جاتا ہے اور مخلوق خدا کو بھی امن و امان قائم رکھنے کا درس دیتا ہے۔ اسلام نے لوگوں کو روحانی زندگی اور مادی زندگی کے درمیان توازن کی تعلیم دی، اس توازن اور اعتدال کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی قائم رکھا اور ان کے بعد سلف صالحین نے بھی یہی روش اختیار کی۔ صوفیہ کرام رحمہم اللہ علیہم نے لوگوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کی اور ان کی تعلیم یہ تھی کہ زہد و عبادت کے ذریعے سے مجاہدہ کر کے اللہ کی رضا حاصل کی جائے۔ صوفیہ کرام کا ظاہر و باطن علوم و معارف اور اخلاق حسنہ سے بہرہ ور تھا۔ ان کی زبان میں اثر، لہجے میں شائستگی اور شخصیت میں وقار تھا۔ ان کا اٹھنا، بیٹھنا، لوگوں سے میل جول اور کاروبار زندگی تک ذریعہ تبلیغ و اشاعتِ دین تھا۔ وہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں سے محبت کا درس دیتے تھے۔

حضرت عثمان مروندی المعروف شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

تعارف

حضرت سید عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 1177ء میں آذر بائیجان کے علاقے مروند میں ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب تیرہ واسطوں سے امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان یگانہ روزگار تھا۔ شیخ مروندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے خاندان کے اعتبار سے اونچی نسبت رکھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور درویش تھے، ان کا طریقہ اتباعِ سنتِ نبوی تھا۔ شرعی احکام سے سر موانحراف نہ کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بڑی عبادت گزار تھیں۔

حصولِ علم

سید عثمان مروندی ؒ کی تعلیم ابتدائی طور پر حسب معمول اسلام کی بنیادی اصول کے تحت تھی۔ آپ ؒ نے محض سات سال کی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد آپ ؒ نے بہت ہی قلیل عرصے میں مروجہ عربی و فارسی علوم میں بھی مکمل دسترس حاصل کر لی۔ بچپن میں ابتدائی تربیت کی منزلیں باپ کے سائے میں گزاریں، آپ ؒ کے والد مشائخ تبریز میں بڑا درجہ رکھتے تھے۔ ان کی نگرانی میں آپ ؒ کی نشو و نما ہوئی اور تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوا۔ والد کی وجہ سے سید عثمان مروندی ؒ کو اہل اللہ کی صحبتیں بچپن سے میسر آئی تھیں۔ اس طرح فیوض و برکات اور علم دین کے گہرے نقش ان کی لوح دل پر ثبت ہوئے تھے۔

لہٰذا بچپن سے ہی دینی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ ابتداء سے ہی نیکی اور راست بازی ان کا شعار بن گئی تھی۔ علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اور تحقیق و تجسس کی طرف طبیعت بہت زیادہ راغب تھی۔ حصول علم کے بعد حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد بغداد اور مشہد کا سفر اختیار کیا، یہاں بڑے بڑے علما و صوفیہ موجود تھے جن سے انھیں استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے بعد سیر و سیاحت کرتے ہوئے شیخ بو علی قلندر ؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے بیعت ہوئے اور ان کی خدمت میں رہے۔

دینی خدمات

شیخ بو علی ؒ نے آپ ؒ کو کچھ وقت کے بعد فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ تشریف لے جائیں۔ ان کے مشورہ کے مطابق آپ ؒ نے سندھ پہنچ کر سیوستان میں قیام فرمایا۔ سیوستان میں آپ ؒ کی تشریف آوری سے وہ علاقہ رشد و ہدایت کا مرکز بن گیا اور قلوب نیکی اور پرہیزگاری کی طرف مائل ہوئے۔ شیخ عثمان مروندی ؒ نے سیوستان میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا۔ ان کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور پیار سے رہنا سکھایا۔ آپ ؒ تقریباً چھے سال تک سیوستان میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔ ہزاروں لوگوں نے آپ ؒ کے ہاتھ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جُڑا۔

آپ ؒ ایک صوفی شاعر، متکلم اور زاہد تھے۔ فارسی میں آپ ؒ کا شاعری کلام موجود ہے۔ آپ ؒ کا تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا۔ آپ ؒ مذہبی رواداری کی تبلیغ کی بنا پر تمام مذاہب کے پیروکاروں میں یکساں محترم تصور کیے جاتے ہیں۔ آپ ؒ روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ ؒ نے اسلامی دنیا کے کئی سفر کیے جس کی وجہ سے آپ ؒ نے فارسی، عربی، ترکی، سندھی اور سنسکرت میں مہارت حاصل کر لی۔ آپ ؒ سے بے شمار لوگوں نے روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت عبداللہ شاہ ابدال، سید علی سرمست، سید عبدالوہاب، سید میر کلاں، نادر علی شاہ، سید صلاح الدین، لعل موسیٰ آپ ؒ سے فیض یافتہ لوگوں میں سے اہم شخصیات ہیں۔

وفات: آپ ؒ کا وصال 21 شعبان المعظم 1274ء میں ہوا۔ آپ ؒ کی قبر مبارک سندھ کے علاقے سیہون شریف میں ہے۔

شیخ عبدالرحمن جامی ؒ

تعارف

مولانا عبدالرحمٰن جامی ؒ معروف صوفی شاعر اور مؤرخ ہیں۔ مولانا جامی ؒ کی ولادت 7 نومبر 1414ء کو جام کے موضع

خر جرد میں ہوئی جو افغانستان کے صوبہ غور میں واقع ہے۔ آپ ﷫ اپنے زمانہ میں علمائے اسلام اور صوفیہ اسلام کی صف اول میں شمار کیے جاتے تھے۔ اسلامی روحانیت میں آپ ﷫ کا رتبہ مقام عالی کو پہنچا ہوا ہے۔ بچپن میں باپ کے ساتھ ہرات اور سمر قند گئے جو اس زمانے میں اسلامی علوم اور فارسی ادب کا مرکز تھے۔

حصولِ علم

مولانا جامی ﷫ ابتدائی عمر میں اپنے والد محترم کے ساتھ ہرات آئے تو مدرسہ نظامیہ میں ٹھہرے۔ مولانا خواجہ علی سمرقندی اور مولانا شہاب الدین محمد جاجرمی سے علمی استفادہ فرمایا جو حضرت سید شریف جرجانی اور مولانا سعد الدین تفتازانی کے تلامذہ تھے۔ اس کے بعد مولانا جامی ﷫ سمر قند میں حضرت قاضی زادہ روم کے مدرسہ میں چلے گئے۔ قاضی زادہ روم نے آپ ﷫ کی جدتِ طبع اور قوتِ ذہنی کی تعریف کی۔ آپ ﷫ کو علم فلکیات و ہیئت پر بھی مہارت تھی کہ اس عہد کے عظیم ماہر فلکیات مولانا علی قوشچی آپ ﷫ کے علم کے معترف تھے۔ تعلیم کے بعد تصوف اور عرفان کی طرف رجوع کیا اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ﷫ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ 1472ء میں حج کیا۔ آپ ﷫ گوشہ نشین اور درویش منش تھے۔ اس دور کے سلاطین بھی آپ ﷫ کی بڑی عزت کرتے تھے۔

صفات واخلاق

مولانا جامی ﷫ ذوق لطیف کے مالک تھے۔ آپ ﷫ کے دل میں عشق الٰہی کامل طور پر موجود تھا۔ آپ ﷫ صحیح معنوں میں درویش تھے۔ تواضع، اخلاص، زہد اور مجاہدہ آپ ﷫ کے حرکات و سکنات اور قول و فعل سے نمایاں تھا۔ آپ ﷫ شریعت کے احکام کی بجاآوری کے پابند اور مشائخ صوفیہ کے اوصاف سے آراستہ تھے۔ آپ ﷫ میں ظاہر داری اور نمود و ریا کی آلائش بالکل نہیں تھی۔ اخلاق ایسے تھے کہ آپ ﷫ کے پاس جو آکر بیٹھتا اس کی خاطر آپ اس کے ساتھ مسلسل بیٹھے رہتے اور اس وقت تک نہ اٹھتے جب تک وہ خود نہ اٹھ جاتا۔ آپ ﷫ عام لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور اُٹھتے اور عام آدمیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاتے۔ آپ ﷫ کی عادت زیادہ تر خاموش رہنے کی تھی۔

مولانا جامی ﷫ ضعیفوں کے دستگیر اور مظلوموں کے مددگار تھے۔ اگر واقعی کسی کو محتاج کو پاتے تو خفیہ طور سے اس کی مدد کرتے۔ آپ ﷫ نے شہر ''ہرات'' میں ایک مدرسہ، خیابان میں مدرسہ اور خانقاہ، اور ''جام'' میں مسجد تعمیر کی اور کئی املاک مدرسہ خیابان کے لیے وقف کیں۔ آپ ﷫ بڑے لوگوں اور بالخصوص بادشاہوں کی خوشامد اور چاپلوسی سے متنفر تھے، بلکہ انھیں ہمیشہ خطوط لکھ کر نیکوکار رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

تصانیف

مولانا جامی ﷫ میں علم کی جستجو اور تحصیل علم کا جو شغف تھا وہ اس دور میں بہت ہی کم لوگ کو حاصل تھا۔ مولانا جامی ﷫ نے مختلف موضوعات پر شاہکار تصانیف لکھیں۔ آپ ﷫ کی تصانیف میں چہل حدیث، مناسک حج، رسالہ تہلیلیہ، نفحات الانس، نقد النصوص، لوائح اور بہارستان وغیرہ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ شعر میں غزلوں کے تین مجموعے اور سات مثنویاں آپ کی یادگار ہیں جو کہ ہفت اورنگ کے نام سے مشہور ہیں۔

وفات

مولانا جامی ؒ اس دنیائے فانی میں 81 برس گزار کر 14 نومبر 1492ء کو بروز جمعہ راہی عالم بقا ہوئے۔ آپ ؒ کا مزار "ہرات" "افغ ن میں ہے۔

حضرت شیخ عبداللطیف کاظمی المعروف امام بری ؒ

تعارف

سید عبداللطیف کاظمی قادری المعروف امام بری ؒ کا تعلق قادریہ سلسلہ سے تھا۔ آپ ؒ بری امام کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ ؒ کے والد کا نام سید سخی محمود بادشاہ اور والدہ کا نام سیدہ غلام فاطمہ کاظمی تھا۔ آپ ؒ کے والد گرامی بھی ایک ولی کامل تھے۔ آپ ؒ کا شجرہ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم ؒ سے ہوتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف کاظمی ؒ 1617ء میں ضلع چکوال کے علاقے چولی کر سال میں پیدا ہوئے۔

حصولِ علم

آپ ؒ نے ابتدائی علوم ظاہر و باطن اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ پھر آپ ؒ کو غور غشتی بھیج دیا گیا جو اس زمانے میں علم کا بڑا مشہ ر مرکز تھا۔ یہاں آپ ؒ نے حدیث، منطق، فقہ، ریاضی، علم الکلام، علم ادب اور علم طب حاصل کیے۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ ؒ کشمیر، بغداد، بخارا، مصر، دمشق اور دوسرے اسلامی ممالک میں تشریف لے گئے اور وہاں موجود جید علماء اور اولیاء سے مزید دینی علوم اور روحانی فیوض حاصل کیے۔ اس کے بعد حج بیت اللہ کیا اور روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دی اور بارہ سال طویل سفر کر کے واپس تشریف لائے۔ حضرت سید شاہ عبداللطیف کاظمی ؒ، سلسلہ قادریہ کے ایک بزرگ حضرت حیات المیر ؒ سے بیعت تھے۔ جب تک شیخ حیات المیر ؒ زندہ رہے آپ ؒ ان کی صحبت میں رہے۔ آپ ؒ کو بری امام کا لقب حضرت حیات المیر ؒ ہی نے عطا کیا تھا۔

دینی خدمات

حضرت شاہ عبداللطیف کاظمی ؒ نے علوم ظاہری اور باطنی حاصل کرنے اور روحانی منازل طے کرنے کے بعد ضلع ہزارہ میں قیام کیا۔ جب آپ ؒ وطن واپس آئے تو آپ ؒ کی شہرت ہر سو پھیل گئی۔ لوگ دور دراز علاقوں سے سید عبداللطیف کاظمی ؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور آپ ؒ کی تعلیم و تبلیغ، وعظ و نصیحت اور پند و نصائح سے فیض یاب ہوتے۔ کچھ عرصہ یہاں گزارنے کے بعد آپ ؒ نے اس وقت کے ضلع راولپنڈی کے شمالی علاقے کا رخ کیا اور باغ کلاں (موجودہ آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد) میں اقامت پذیر ہوئے۔ باغ کلاں کے باشندوں نے عزت و احترام کے ساتھ آپ ؒ کا خیر مقدم کیا۔ سید شاہ عبداللطیف کاظمی ؒ یہاں تبلیغ دین میں مصروف رہے۔ یہاں بسنے والے لوگ آپ ؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ خطہ پوٹھوہار کی اس بزرگ ہستی نے اسلام کی تعلیمات کے فروغ اور عوام الناس کی اصلاح اور خدمت کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

ایک مرتبہ جب بری امام ؒ کہیں سفر پر جارہے تھے آپ ؒ نور پور شاہاں میں باغ کلاں کے گاؤں کے قریب سے گزرے، ابھی آپ ؒ نے چند کلو میٹر کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اچانک جنگل سے چند ڈاکو نکلے اور انھوں نے لوٹنے کی غرض سے آپ ؒ کا راستہ روک لیا۔ حضرت شیخ عبد اللطیف ؒ ذرا بھی فکر مند نہیں ہوئے اور ڈاکوؤں کے سردار کو اصلاح کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو تنگ کرنا چھوڑ دو۔ ڈاکوؤں کا سردار آپ ؒ کی دعوت سے متاثر ہوا اور جرائم سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو کر آپ ؒ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ سید عبداللطیف کاظمی قادری ؒ نے نور پور شاہاں میں قیام کے دوران میں اسلام کی تعلیمات کے ذریعے لا تعداد غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کی شمع کو روشن کیا۔ شاہ عبد الطیف ؒ کا وصال 1117ھ بمطابق 1706ء میں اسلام آباد کے نواحی گاؤں نور پور شاہاں میں ہوا۔ آپ ؒ کی قبر مبارک بھی وہیں موجود ہے۔

انسانی معاشروں میں مصلحین امت کا یہی تعلیمی و تربیتی کردار رہا ہے، جس نے اچھے افراد، صالح جماعتیں اور پر امن و پاکیزہ معاشرے پیدا کیے۔ انسانی کمالات کے عمدہ معیار یہی نفوس قدسیہ ہیں جن کے مطابق ہر دور میں عمدہ نمونے ڈھلتے رہے ہیں۔ دنیا میں محاسن اخلاق کا جو بھی سرمایہ ہے وہ صرف انہی مقدس ہستیوں کی وجہ سے ہے جو حسن اخلاق اور کمالات انسانی کا اعلیٰ پیکر تھے، انھوں نے انسانی اخلاق کے اعلیٰ معیارات قائم کر کے انسانیت کے لیے روشنی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ کے صالح بندوں نے تزکیہ نفوس اور تطہیر قلوب کا سلسلہ جاری رکھا جس سے خلق خدا کو فائدہ ہوا اور جن لوگوں نے ان صلحاء کا دامن تھامے رکھا وہ معاشرے میں امن وامان اور سکون کے نمونہ رہے۔ صوفیائے کرام نے تزکیہ نفس کے ذریعے دلوں کو پاک اور صاف کیا۔ ان کی دعوتی اور تبلیغی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ کروڑہا انسان ہدایت کے راستے پر گامزن ہیں۔

صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی زندگیاں ہمارے لیے روشن مثال ہیں۔ وہ ایمانی صفات سے آراستہ تھے، ان کی زندگی خدمت انسانیت کے لیے وقف تھی۔ وہ بلا تفریق رنگ و نسل انسانوں سے محبت کرتے تھے اور انھوں نے ہمیشہ امن، رواداری، انسان دوستی اور عشق الٰہی کا درس دیا اور حق کی راہ میں ہر مشقت کو برداشت کیا لیکن حق کا راستہ نہیں چھوڑا۔ ان کا تربیتی و روحانی فیض آج تک جاری ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان کے طرز عمل کی پیروی کریں اور نیک صالح صحبت اختیار کریں تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا تعلق اور اس کی رضا نصیب ہو۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ حضرت عثمان مروندی ؒ کی ولادت کس سن ہجری میں ہوئی:

الف۔ 538 ب۔ 539 ج۔ 540 د۔ 541

۲۔ شیخ شہباز قلندر ؒ تمام مذاہب کے پیروکاروں میں یکساں محترم تصور کیے جاتے ہیں:

الف۔ عالی نسب کی وجہ سے ب۔ مالداری کی وجہ سے ج۔ مذہبی رواداری کی وجہ سے د۔ علم کی وجہ سے

۳۔ شیخ شہباز قلندر سندھ کیوں تشریف لے گئے تھے:

الف۔ تجارت کے لیے ب۔ علم کی تحصیل کے لیے ج۔ دعوت، تبلیغ کے لیے د۔ سیاحت کے لیے

۴- شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے نثر میں کتنی کتب لکھیں-:

الف۔ دس　　ب۔ گیارہ　　ج۔ بارہ　　د۔ تیرہ

۵- قاضی زادہ روم رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی کس بات پر تعریف کی:

الف۔ قوت جسمانی کی　　ب۔ قوت ذہنی کی　　ج۔ قوت اخلاقی کی　　د۔ قوت مالی کی

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱- حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے تحصیل علم کے واقعات لکھیے۔

۲- حضرت عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کا ذکر کریں۔

۳- حضرت شیخ عبداللطیف کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے حصول علم کا تذکرہ کریں۔

۴- حضرت شیخ عبداللطیف کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ لکھیں۔

۵- حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا ذکر کریں۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱- حضرت عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کا تذکرہ کریں۔

۲- شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی صفات و اخلاق بیان کریں۔

۳- حضرت شیخ عبداللطیف کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مذکورہ شخصیات کے حالات زندگی پر مشتمل معلوماتی نوٹ لکھیں جس میں ان کا اسم گرامی، ولدیت، پیدائش کے علاوہ تصانیف، خدمات اور امتیازی خصوصیات شامل ہوں۔ مذکورہ شخصیات کے اخلاق و کردار پر مبنی واقعات اور ان سے حاصل ہونے والے عملی اسباق تلاش کر کے اپنے ہم جماعت ساتھیوں کے سامنے پیش کریں۔

برائے اساتذہ کرام

- مذکورہ شخصیات کی زندگی اور سیرت و کردار اور تعلیمات پر کمرا جماعت میں مکالمہ کریں۔

علماء و مفکرین کرام رحمہم اللہ علیہم

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

علم

- مذکورہ شخصیات کے حالاتِ زندگی سے اجمالی طور پر واقف ہو سکیں۔
- ان کے اخلاق و صفات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- ان کی علمی و معاشرتی خدمات سے مختصر طور پر آگاہی حاصل کر سکیں۔
- ان کی تعلیمات اور تصانیف سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

صلاحیت

- مذکورہ علماء و مفکرین رحمہم اللہ تعالیٰ کے معاشرتی کردار کے بارے میں جان کر اپنی عملی زندگی میں ان کے اُسوہ کی پیروی کر سکیں۔
- ان کی زندگی کے مختلف روشن پہلوؤں سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھال سکیں۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

تعارف: آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد اور لقب محی الدین تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت 26 جولائی 1165ء کو اندلس (اسپین) کی شرقی ریاست مرسیہ میں ہوئی، وہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن گزرا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا اندلس کے جید عالم دین اور قاضی تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی بھی ولی کامل تھے۔

حصولِ علم: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن شریف ناظرہ اور ابتدائی تعلیم ابو بکر بن خلف سے مرسیہ میں ہی حاصل کی۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۸ سال ہوئی تو اشبیلیہ چلے گئے۔ اشبیلیہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے وقت کے نامور علماء سے علم حاصل کرنے کی سعادت ملی۔ مروجہ دینی تعلیم کے حصول کے ساتھ ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بہت سا وقت علماء اور صوفیہ کی خدمت میں گذرتا تھا۔ ابھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیس برس کی تھی کہ ریاضت اور عبادت کی طرف میلان ہو گیا۔ اشبیلیہ اس وقت جید علماء اور بڑے بڑے صوفیہ کرام کا مرکز تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ۲۰ سال تک تعلیم حاصل کی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ابو محمد یونس قصار ہاشمی اور ابو الحسن بن عبد اللہ بن جامع رحمۃ اللہ علیہما سے روحانی نسبت حاصل ہے۔

دینی خدمات: حصول علم کے آپ واپس اپنے وطن اندلس (مرسیہ) آ گئے اور اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ مکہ مکرمہ کا سفر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش تھی لیکن والدہ کی خدمت اور گھریلو ذمہ داریوں کے سبب اسے ملتوی کرنا پڑا۔ والدہ کی وفات کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کا سفر اختیار کیا اور وہاں دو سال قیام فرمایا۔ وہاں کے علمی و مذہبی حلقے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عربی نظم و نثر پر کامل دسترس تھی۔ شعر کہنے کا ملکہ فطری تھا۔ اکثر و بیشتر فی البدیہہ اشعار کہتے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ذہانت کا کوئی ثانی نہ تھا۔ عشق الٰہی میں سرشار تھے اور غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور ظاہری و باطنی صفات سے متصف تھے۔ جہاں جاتے اپنے کردار و عمل، وعظ و نصیحت سے تاریک دلوں کو روشن فرما دیتے۔ بھٹکے ہوئے لوگ آپ کی صحبت و تربیت سے صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتے۔ صوفیانہ لب و لہجے کی وجہ سے لوگ آپ کی مجلس میں بیٹھنے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سننے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین کے لیے قرطبہ، تُونس، عراق، مصر، حجاز، فلسطین، ایران، اور شام کے کئی سفر کیے۔ کئی علاقوں میں درس وتدریس کا سلسلہ بھی قائم کیا۔ شمالی افریقہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خانقاہ بھی قائم کی۔ وعظ و نصیحت، درس وتدریس کے ساتھ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیفات کے ذریعے بھی دین متین کی خدمت انجام دی۔ سفر ہو یا حضر لکھنے میں کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے لیکن مشہور ترین تصانیف فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ میں اپنی کتاب فتوحات مکیہ تصنیف کی جو کہ تصوّف کے بارے میں بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کے علاوہ روح القدس، مشکٰوۃ الانوار، حلیۃ الابدال اور تاج الرسائل وغیرہ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصانیف ہیں۔

مقام و مرتبہ: شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ، عظیم مفکر، محقق گزرے ہیں۔ اہل علم بڑے ادب احترام سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیتے ہیں۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ علم و عرفان میں بلند درجے پر فائز تھے۔ علم و عرفان اور فضل و کمال کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "شیخ اکبر" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لقب آپ کو آپ کے استاد ابو مدین غوث تلمسانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا اور یہ لقب لوگوں کی زبان پر ایسا جاری ہوا کہ شیخ اکبر سنتے ہی ذہن آپ ہی کی طرف جاتا ہے۔ صوفیاء میں یہ لقب کسی دوسرے شیخ کے لیے استعمال نہیں کیا گیا۔ اکابر صوفیہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ امام الموحدین مشہور ہیں۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر عمر میں بغداد، موصل، قاہرہ اور ایشیاء کوچک وغیرہ کے سفر کیے۔ اس کے بعد حاکم الملک العادل کی دعوت پر دمشق پہنچے، اور آخری وقت تک دمشق میں ہی رہے۔ آپ کا انتقال ۸۰ سال کی عمر میں 16 نومبر 1240ء کو دمشق میں ہوا۔ اور جبل قاسیون کے پہلو میں دفن کیے گئے جو آج کل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے۔

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ

تعارف: آپ رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام "ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی الاندلسی" ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ 1126ء میں قرطبہ میں پیدا ہوئے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ مسلم فلسفی، طبیب، ماہر فلکیات اور قاضی تھے۔ ان سے پہلے ان کے والد اور دادا بھی قرطبہ کے قاضی رہ چکے تھے۔

علمی مقام: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ اور طبّی علوم میں شہرت پائی۔ وہ نہ صرف فلسفی اور طبیب تھے بلکہ فقیہ اور قاضی بھی تھے۔ نحو اور لغت پر بھی دسترس رکھتے تھے، انتہائی باادب، راسخ العقیدہ اور حجت کے قوی شخص تھے۔ ابن طفیل اور ابن زہر جیسے مشہور عالموں سے دینیات، فلسفہ، قانون، علم الحساب اور علم فلکیات کی تعلیم حاصل کی اور طب کی تعلیم ابی جعفر ہارون اور ابی مروان بن جربول الاندلسی سے حاصل کی، ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ مراکش میں خلیفہ کے خاص طبیب کی حیثیت سے متعین ہوئے اور خلیفہ یعقوب یوسف کے عہد میں اشبیلیہ اور قرطبہ کے قاضی رہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ طب کے شعبہ میں بھی کمال رکھتے تھے، مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت کی اصل وجہ فلسفہ تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب و فلسفہ کے باہمی تعلق کے بارے میں اہم نظریات پیش کیے اور "حقیقت دوگونہ" کا تصوّر پیش کیا۔ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے قانون، منطق، علم فلکیات اور طب پر متعدد کتب تصنیف کیں اور فلسفے پر نہایت سیر حاصل شرحیں لکھیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علم فلسفہ اور کلام پر بہت گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور یہ یقیناً ان کی شبانہ روز محنت کا نتیجہ تھا۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی علم کی تلاش اور تصنیف و تالیف میں گزاری۔ انھیں شہرت کی کبھی طلب نہیں رہی، وہ علم و معرفت کے ذریعے کمالِ انسانی پر یقین رکھتے تھے، ان کے ہاں انسان کی پہچان اس علمی و عملی کمال پر ہے۔

تصانیف: ابن رشد ؒ کی تصانیف کی تعداد 108 ذکر کی گئی ہے انھوں نے ارسطو کی کتب کی شرحیں لکھیں۔ آپ ؒ کی تصانیف میں الکلیات، فصل المقال، الکشف عن مناہج الادلۃ، مقالہ علم الالٰہی اور تہافۃ التہافۃ وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ ؒ کا انتقال 1198ء میں مراکش میں ہوا۔

علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ

تعارف: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ 10 اکتوبر 1746ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ ؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ کے جدّ محترم شاہ عبدالرحیم ؒ تھے۔ آپ ؒ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔ آپ ؒ سراج الہند کے لقب سے مشہور ہیں۔

حصول علم: آپ ؒ نے بچپن ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ ؒ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ سے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ اور کمالات ظاہری و باطنی حاصل کیے۔ سند حدیث کی اجازت اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ ؒ اور شاہ محمد عاشق پھلتی ؒ سے حاصل کی۔

دینی خدمات: والد محترم کی وفات کے بعد ان کے قائم کردہ مدرسہ "رحیمیہ" کی ذمہ داری آپ ؒ نے سنبھالی۔ آپ ؒ نے نہایت خلوص اور محنت سے مروجہ علوم کے علاوہ حدیث و تفسیر کے علوم کا درس دینا شروع کیا اور اپنی علمی قابلیت کی بدولت بہت جلد آپ ؒ محدثین و مشائخ کا مرجع ٹھہرے۔ آپ ؒ نے اس پُر آشوب دور میں قرآن و سنت کے علوم کے فروغ کے لیے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ آپ ؒ کی ذات سے برصغیر پاک و ہند میں علوم اسلامیہ خصوصاً تفسیر و حدیث کا بڑا چرچا ہوا۔ شاہ عبدالعزیز ؒ کو علم میں وسعت کے ساتھ ساتھ درجہ کمال بھی حاصل تھا۔ آپ ؒ کا حافظہ انتہائی قوی تھا۔ کئی مرتبہ آپ ؒ کتب غیر مشہورہ کی اکثر طویل عبارات اپنے حافظے کے اعتماد پر طلبہ کو لکھوا دیتے اور جب اس کتاب کی طرف رجوع کیا جاتا تو جو عبارت آپ ؒ نے لکھوائی ہوتی وہ حرف بہ حرف درست ہوتی۔ جب آپ ؒ مسند وتدریس پر رونق افروز ہوئے تو شائقین علم نے دور دور سے آکر اکتساب علم کیا، آپ ؒ کا سلسلہ تلمذ بہت وسیع ہوا اور آپ ؒ کے شاگرد جلیل القدر علماء بنے۔

تصانیف: شاہ عبدالعزیز ؒ صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اہم تصانیف میں عجالہ نافعہ، بستان المحدثین، سر الشہادتین، فتاوی عزیزی، فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بلاغت، کلام، منطق اور فلسفے کے موضوعات پر بھی شاہ صاحب نے متعدد رسالے اور حاشیے فارسی اور عربی زبان میں لکھے ہیں۔

وفات

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ نے 1824ء میں وفات پائی۔ ترکمان دروازہ کے باہر قبرستان مہندیاں میں اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مشق

سوال نمبر۱۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کب وفات پائی:

الف۔ 1822ء ب۔ 1823ء ج۔ 1824 د۔ 1825

۲۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کن کا لقب ہے:

الف۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ب۔ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ ج۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ د۔ ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور دادا قرطبہ میں کس عہدے پر تھے؟

الف۔ وزیر ب۔ قاضی ج۔ مفتی د۔ شیخ الاسلام

۴۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کے سفر کو کیوں مؤخر کیا؟

الف۔ علم کے حصول کے سبب ب۔ تجارت کے سبب ج۔ عبادت کے سبب د۔ والدہ کی خدمت کے سبب

۵۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا لقب کیا تھا؟

الف۔ شیخ الہند ب۔ امام الہند ج۔ سراج الہند د۔ ضیاء الہند

سوال نمبر۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ اکبر کا لقب کس نے دیا تھا؟

۲۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کہاں تصنیف کی تھی؟

۳۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ کا واقعہ بیان کریں۔

۴۔ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے نام تحریر کریں۔

۵۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتب کے نام لکھیے۔

سوال نمبر۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبے پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کے بارے میں لکھیں۔

۳۔ علامہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کے بارے میں نوٹ لکھیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مذکورہ شخصیات کی حالاتِ زندگی پر مشتمل معلوماتی نوٹ لکھیں جس میں ان کا اسم گرامی ولدیت پیدائش کے علاوہ تصنیفی خدمات اور امتیازی خصوصیات شامل ہوں۔

برائے اساتذہ کرام

- مذکورہ شخصیات کی زندگی اور سیرت و کردار اور تعلیمات پر کمرا جماعت میں مکالمہ کریں۔

باب پنجم

اسلامی تعلیمات اور عصرِ حاضر کے تقاضے

الف۔ اسلام میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

اسلامی تعلیمات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے والے بن سکیں۔

علم	صلاحیت
• مستقبل کی منصوبہ بندی کا معنی و مفہوم جان سکیں۔ • قرآن وسنّت کی روشنی میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ • اُسوہ نبوی ﷺ کی روشنی میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی مثالیں سمجھ سکیں۔ • مستقبل کی منصوبہ بندی کے اسباب کی مختلف صورتوں اور شرعی حدود و قیود سے واقف ہو سکیں۔ • مستقبل کی منصوبہ بندی کے انفرادی واجتماعی اثرات کا جائزہ لے سکیں۔	• شرعی حدود و قیود میں مستقبل کی منصوبہ بندی اختیار کرنے والے بن سکیں۔ • اسلامی تعلیمات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مستقبل کی منصوبہ بندی کرنے والے بن سکیں۔

مستقبل کی منصوبہ بندی کا معنی و مفہوم

منصوبہ بندی کو عربی زبان میں تخطیط کہتے ہیں، جس کا معنی کسی کام کو انجام دینے کا تفصیلی خاکا تیار کرنا ہے۔ اصطلاح میں مستقبل کی منصوبہ بندی سے مراد انفرادی واجتماعی زندگی کے اہداف طے کرنا اور ان کو حاصل کرنے کے ذرائع و وسائل کا تعین کرنا ہے یا کسی خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وقت اور طریق کار طے کرنا ہے۔ انگریزی میں اسے پلاننگ کہا جاتا ہے۔ زندگی کے تمام امور پلاننگ اور منصوبہ بندی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس کے بغیر ایک چھوٹا سا کام بھی اچھے اور کامیاب طریقے سے سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کے آباد ہونے کے وقت سے ہی منصوبہ بندی اور انسانی مستقبل کا گہرا تعلق رہا ہے، تاہم موجودہ دور میں پلاننگ میں پیچیدگی آگئی ہے اور اب اکثر اداروں اور تمام حکومتوں میں اس مقصد کے لیے الگ شعبہ جات قائم ہیں۔ اس سے مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں مستقبل کی منصوبہ بندی کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے اور اس کی بے مثل تخلیق کو اپنی حکمت کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتایا ہے کہ وہ معاملات کو حکمت و تدبیر سے سرانجام دیتا ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات کائنات کے نظام میں تنظیم و منصوبہ بندی اور تمام امور کے ایک مخصوص وقت اور خاص مقدار سے انجام پانے کا تذکرہ کرتی ہیں۔ مثلاً سورۃ السجدۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے چھے دنوں میں تخلیق کائنات کا ذکر فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ زمین و آسمان کے معاملات کی تدبیر فرماتا ہے۔ اسی طرح سورۃ یونس میں ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ (یونس: 3)

ترجمہ: بے شک تمھارا ربّ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا چھے دنوں میں پھر وہ عرش پر (اپنی شان کے لائق) جلوہ فرما ہوا وہی ہر کام کی تدبیر فرماتا ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ "کن" کہہ کر جہان پیدا فرما سکتا ہے، لیکن وہ اپنی تمام طاقت اور قدرت کاملہ کے باوجود امور کی انجام دہی میں منصوبہ، تدبر، وقت اور مقدار کو شامل فرما رہا ہے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی مرضی یہ ہے کہ اس کے بندے بھی معاملات کو منصوبہ بندی سے انجام دیں۔

تخلیق کائنات میں حکمت کی کار فرمائی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ جب غور کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ نظام مکمل منصوبہ بندی سے چل رہا ہے اور اس میں کوئی کمی یا جھول نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک: 3-4)

ترجمہ: وہ جس نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق نہیں دیکھو گے تو تم نگاہ ڈالو (اور دیکھو) کیا تمھیں کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر تم دوبارہ نگاہ ڈالو نگاہ تھک ہار کر تمھاری طرف ناکام پلٹ آئے گی۔

سنّت انبیاء علیہم السلام اور مستقبل کی منصوبہ بندی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے قصص کو رہنمائی کا ذریعہ بنایا ہے اور ان کی حیات میں قابل عمل سبق اور حکمت کے نمونے رکھے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور نمرود کے سامنے اظہار حق کے لیے ایک کامل منصوبہ ترتیب دیا، جسے دعوتی منصوبہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ واقعہ قرآن حکیم کی کئی سورتوں میں موجود ہے۔ کافروں کے بتوں کو توڑنا اور خدا کی وحدانیت پر نمرود سے مکالمہ کرنا، ایک کامل منصوبہ بندی کا نمونہ ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ زیادہ وضاحت کے ساتھ منصوبہ بندی کی اہمیت واضح کرتا ہے، جسے قرآن نے احسن القصص قرار دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ملک و قوم کو تباہ کن قحط سے بچا لیا تھا۔ اس معاشی و اقتصادی منصوبہ کی تفصیل سورہ یوسف کی آیات ۴۷ تا ۴۹ میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کشتی بنانا اور اہل ایمان اور جانوروں کے ایک ایک جوڑے کو اس میں سوار کرنا، ایک مکمل منصوبہ بندی اور ریسکیو پلان تھا۔ اللہ کریم قادر ہے، وہ چاہتا تو سبب اور ذرائع کے بغیر اہل ایمان کو بچا لیتا، مگر اس کی حکمت یہ ہے کہ تمام اسباب بروئے کار لائے جائیں اور پھر اس پر توکل کیا جائے۔ اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں بھی منصوبہ بندی کی ضرورت و اہمیت کے اسباق موجود ہیں۔

سنّت نبوی ﷺ اور مستقبل کی منصوبہ بندی

اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبی پاک ﷺ کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ کو مسلمانوں کے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ساری زندگی منصوبہ بندی اور پلاننگ کا نمونہ ہے۔ حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں تنظیم و منصوبہ بندی شامل نہ ہو۔ سیرت

طیّبہ کا مطالعہ ہمیں نظم و نسق اور اور منصوبہ بندی کے عظیم الشان واقعات سے روشناس کرواتا ہے۔ جن میں سے چند ایک کا مختصر تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

- آپ ﷺ نے نبوّت کے اعلان کے بعد حکمت اور تدبر سے کام لیتے ہوئے پہلے اپنے قریبی ساتھیوں کو دعوت دی اور آہستہ آہستہ تدریج کے ساتھ دعوت کے دائرہ کار کو بڑھایا۔ پہلے تین سال دعوت کو خفیہ رکھا تاکہ مشرکین کے رد عمل کی شدت کو کم کیا جا سکے اور دعوت کا کام ابتدا میں ہی مشکلات کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ عمل بہترین منصوبہ بندی کا مظہر ہے۔
- مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دینا، بہترین حکمت عملی اور منصوبہ کا حصہ تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مکہ والوں کی ہٹ دھرمی کو جان چکے تھے اور مکہ سے باہر ایک محفوظ مرکز کی تلاش میں تھے، جہاں سے دعوت کے کام کو بلا روک ٹوک جاری رکھا جا سکے۔
- مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے وقت جس طرح آپ ﷺ کے ساتھی ایک ایک کر کے مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور جس طرح سے آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کا سفر مکمل کیا، وہ حکمت اور منصوبہ بندی کا شاہکار ہے۔
- مدینہ منورہ میں جدید اسلامی ریاست کے معاشی اور دفاعی مسائل کو حل کرنے کے لیے میثاق مدینہ پر اتفاق کروانا، مؤاخات قائم کرنا اور مدینہ منورہ کے ارد گرد کے قبائل سے معاہدے کرنا بہترین منصوبہ بندی کا ثبوت ہے۔
- غزوات کے واقعات میں آپ ﷺ کی بہترین منصوبہ بندی یا حکمت عملی قیامت تک کے انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

الغرض سیرت نبوی کے تمام واقعات اور آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ میں منصوبہ بندی اور غور و فکر کے بہترین اسباق ملتے ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بھلائی اور اس دعوت کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں غور و فکر اور عمل کرتے ہوئے گزرا، جو ہمارے لیے منصوبہ بندی اور عمل کا بہترین نمونہ ہے۔

مستقبل کی منصوبہ بندی۔ حدود و قیود

مستقبل کی منصوبہ بندی ایک عزم، ارادہ اور غور و فکر کے مجموعہ کا نام ہے۔ جس میں انسان اپنی بہترین کوشش سے ماضی کے تجربات اور حال کے علم کی روشنی میں مستقبل کی بہتری کے لیے ایک راہ عمل متعین کرتا ہے۔ منصوبہ بندی کے نتیجہ میں اسے اچھے نتائج حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے۔ اس سارے عمل میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اسباب کو اختیار کرے، لیکن اس کا آخری بھروسا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہیے۔ مستقبل کی منصوبہ بندی کے حوالے سے سب سے اہم یہی نکتہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اللہ کریم پر بھروسا رکھنا اور بہترین کاوش کرنا منصوبہ بندی کے دو اہم ستون ہیں۔ منصوبہ بندی میں شرعی اصولوں اور حدود کی پابندی کے ساتھ ان امور پر مکمل غور فکر کی ضرورت ہے، جن کے بارے میں منصوبہ بندی کی جا رہی ہو۔ اس سلسلہ میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

1. تمام منصوبوں کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور دین و ریاست اور عام انسانوں کی بھلائی ہونا چاہیے۔
2. منصوبہ بناتے وقت بہترین کوشش اور مکمل غور و فکر کرنا چاہیے۔
3. منصوبہ میں مستقبل کے بدلتے حالات کے لیے تبدیلی کی گنجائش ہونی چاہیے۔

4. منصوبہ بندی کے مقاصد طے کر لینے چاہییں اور کسی ایسی چیز کے حصول کا منصوبہ نہیں بنانا چاہیے، جو شریعت کی رو سے جائز نہ ہو۔
5. ایسے امور کی منصوبہ بندی کرنی چاہیے جس سے شریعت کے عام مقاصد کی حفاظت کی جا سکے۔
6. ذاتی ترقی، دنیاوی تعلیم، کاروبار، شادی، خاندانی فلاح و بہبود، معاشرتی بھلائی اور ملکی ترقی، ان سب کے لیے منصوبہ بندی جائز اور اچھا عمل ہے۔
7. منصوبہ بندی میں وسائل کے تعین میں کسی بھی حرام اور ناجائز ذریعہ کو شامل نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کو نہایت احتیاط سے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کسی بہت اچھے اور نیک مقصد کے حصول کے لیے بھی برے ذرائع کو اختیار کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔
8. منصوبہ بندی کے نتائج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ترجمہ: جب آپ (کسی بات کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکّل کیجیے بے شک اللہ توکّل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے (آل عمران: 159)۔ ایک اور مقام پر زیادہ وضاحت سے اس عقیدہ کو یوں بیان فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا (الکھف: 23-24)

ترجمہ: اور کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں یہ کام کل ضرور کروں گا۔ مگر یہ کہ (جیسے) اللہ چاہے اور اپنے رب کو یاد کر لیا کریں جب آپ بھول جائیں اور فرمائیں اُمید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر ہدایت کی راہ دکھائے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر کام میں اللہ کی مشیت کی کارفرمائی کا ایمان رکھے اور اسباب و ذرائع کو اپنے عقیدہ کا مرکز نہ بنائے۔ توکل اور منصوبہ بندی کے نازک تعلق کی وضاحت کے لیے مولانا ظفر علی خان کا یہ شعر بہت عمدہ ہے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اُس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

9. اگر کوئی کام بہترین تدبیر کے باوجود بھی اس کی مرضی کا نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو سچا جانے اور اس پر صبر و شکر کرے۔ ناشکری اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور یہ نعمتوں کے زوال کا سبب بن جاتی ہے۔

مستقبل کی منصوبہ بندی کے اثرات۔

منصوبہ بندی کی اہمیت سمجھنے کے بعد اس کے اثرات کو جاننا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ انفرادی زندگی میں بھی اگر گھر کے معاملات میں منصوبہ بندی شامل ہو، تو خاندان اور اس کے افراد ترقی کرتے ہیں۔ ان کا مستقبل محفوظ ہو جاتا ہے اور بروقت ضروریات زندگی میسر آتی ہیں۔ جن خاندانوں میں منصوبہ بندی کر کے امور چلائے جاتے ہیں، ان کے افراد میں اطمینان، صحت اور آپس کی محبت کی فراوانی کا مشاہدہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس بے نظمی کے شکار خاندانوں کی زندگیاں تباہ حالی کا منظر پیش کرتی ہیں اور وہ آپس کی محبت اور دل کے سکون سے محروم ہو جاتے ہیں۔ قومی زندگی میں بھی جہاں صحیح منصوبہ بندی شامل نہیں ہوتی، وہاں افراتفری اور بدنظمی عام ہوتی ہے اور لوگوں کی زندگی سکون سے محروم ہو جاتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے منصوبہ بندی کو اہمیت دیں۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی سیرت میں منصوبہ بندی سے خالی کوئی عمل ڈھونڈنے سے نہیں ملتا اور ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے اسوہ کی مکمل پیروی کرنی چاہیے، تاکہ دنیا و آخرت کی زندگی میں کامیاب ہو سکیں۔ ہم اپنے ارد گرد غور کریں تو وہ طالب علم ہمیشہ جماعت میں نمایاں نظر آئیں گے، جو اپنا اسکول اور گھر کا کام ترتیب اور منصوبہ بندی سے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ امتحانات میں بھی کامیاب ہوتے ہیں اور زندگی میں بھی کامیابیاں سمیٹتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنی زندگی کا قلیل المدتی اور طویل المدتی منصوبہ ترتیب دے کر اپنے خاندان اور ملک کی خدمت کی تیاری کرنی چاہیے۔

مشق

سوال نمبر ۱۔ **مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔**

۱۔ منصوبہ بندی کو عربی زبان میں کہتے ہیں:

الف۔ پلاننگ　　ب۔ تہذیب　　ج۔ تخطیط　　د۔ تصمیم

۲۔ منصوبہ بندی کے دو اہم ستون ہیں:

الف۔ وسائل پیدا کرنا اور مال خرچ کرنا　　ب۔ دوستوں کی مدد لینا اور اساتذہ سے معلومات اکٹھی کرنا

ج۔ لوگوں کو ساتھ ملانا اور حکومت سے منظوری لینا　　د۔ اللہ کریم پر بھروسا رکھنا اور بہترین کاوش کرنا

۳۔ کس نبی علیہ السلام کے قصے کو اللہ تعالیٰ نے احسن القصص قرار دیا ہے:

الف۔ حضرت نوح علیہ السلام　　ب۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام　　ج۔ حضرت یوسف علیہ السلام　　د۔ حضرت یونس علیہ السلام

۴۔ کس نبی علیہ السلام کا منصوبہ ایک ریسکیو پلان تھا:

الف۔ حضرت ہود علیہ السلام　　ب۔ حضرت نوح علیہ السلام　　ج۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام　　د۔ حضرت یوسف علیہ السلام

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدۃ میں کتنے دنوں میں تخلیق کائنات کا ذکر فرمایا ہے:

الف۔ چار دن　　ب۔ پانچ دن　　ج۔ چھے دن　　د۔ سات دن

سوال نمبر ۲۔ **درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔**

۱۔ حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا تین سال تک دعوت کو خفیہ رکھنے کا مقصد کیا تھا؟

۲۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں قحط سے بچنے کی منصوبہ بندی کے حوالے سے کیا واقعہ ملتا ہے، قرآن پاک کا مطالعہ کر کے بتائیں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ اس طرح بیان کریں کہ اس سے منصوبہ بندی کے فوائد کا پتا چلے۔

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں منصوبہ بندی کی اہمیت پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

۲۔ قرآن حکیم سے منصوبہ بندی کے بارے میں کیا سبق ملتا ہے، تفصیل سے بیان کریں اور انبیاء کرام کے واقعات کا بھی ذکر کریں۔

۳۔ مستقبل کی منصوبہ بندی ہماری انفرادی واجتماعی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتی ہے؟ تفصیلی جائزہ لیں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- مستقبل کی منصوبہ بندی کی مختلف صورتوں پر مشتمل فہرست بنائیں۔
- اپنی آنے والی زندگی کی منصوبہ بندی پر مبنی چارٹ بنائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- مستقبل کی قلیل المیعاد اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کے ثمرات پر جماعت میں مذاکرہ کروایا جائے۔
- مثالی تربیت کے اہم عناصر مثلاً خیر خواہی، شفقت ومحبت اور باہمی احترام سے متعلق مذاکرہ کروایا جائے۔

ب ۔ اسلامی تہذیب کے امتیازات

حاصلاتِ تعلم

اس سبق کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

اسلامی تعلیمات اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی تہذیب کے امتیازات سمجھتے ہوئے ان کو اپنی عملی زندگی پر لاگو کر سکیں۔

- اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی تہذیب کو جان سکیں۔
- اسلامی تہذیب کی اہمیت سمجھ سکیں۔
- اسلامی تہذیب کی بنیادی خصوصیات کو سمجھ کر ان کا جائزہ لے سکیں۔
- اسلامی تہذیب کے اثرات کا جائزہ لے سکیں۔
- اسلامی تہذیب کے مختلف اصولوں اور طریقوں سے واقف ہو کر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق ڈھال سکیں۔

تہذیب عربی کے لفظ ''ہذب'' سے نکلا ہے جس کا لغوی معنی اصلاح کرنا، تراش خراش کرنا، عیوب سے پاک کرنا، بہتر بنانا، اور تعلیم و تربیت دینا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد کسی قوم کے وہ عقائد اور نظریات ہیں جن پر اس کے رسوم و رواج، رہن سہن، انفرادی اور اجتماعی طرزِ عمل اور زندگی گزارنے کے تمام طریقوں کا انحصار ہوتا ہے۔ اسے انگریزی میں سویلائزیشن کہتے ہیں۔

اسلامی تہذیب سے مراد مسلمانوں کے تصورات، عقائد اور نظریات ہیں جن کی روشنی میں مسلمان اپنی زندگی کے طور طریقوں، رسوم و رواج، عبادات، کھانے پینے، رہن سہن اور سیاست و معاشرت کی بنیاد رکھتے ہیں اور ان ہی عقائد اور نظریات کی روشنی میں اچھے برے، جائز و ناجائز اور غلط صحیح کی تمیز کرتے ہیں۔ نیز یہی وہ تصورات ہیں جن کی بنا پر دنیا بھر کے مسلمان آپس میں ایک رشتہ میں وابستہ ہیں۔

اسلامی تہذیب کے تشکیلی عناصر

بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (صحیح بخاری: 8)

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تہذیب کے عناصر سے مراد وہ اجزا ہیں، جن کے ملنے سے یا جن کی وجہ سے کوئی تہذیب وجود میں آتی ہے۔ جیسے کسی عمارت کی تعمیر میں استعمال ہونے والا سامان ہوتا ہے۔ ان کو تہذیب کے تشکیلی عناصر بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں ایسی تعلیمات شامل ہوتی ہیں جو کسی بھی تہذیب کی بنیاد بناتی ہیں۔ مثلاً اس تہذیب کے ماننے والوں کا دنیاوی زندگی کا کیا تصور ہے یا زندگی کا مقصد کیا ہے، بنیادی اخلاقی اصول کیا ہیں اور دوسرے انسانوں سے تعلقات کے سلسلے میں کیا قاعدے مقرر ہیں وغیرہ۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے۔ ان تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے، جس میں اچھے اعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اس دنیا کی زندگی میں امن و سلامتی ہو، برائیوں کی روک تھام ہو اور نیکیوں کو فروغ ملے نیز عدل و انصاف کا ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے طریقے سے یا بعض حدود و قیود کے تحت اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق دیا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ اسلامی تصور کے مطابق جب وہ اس دنیا کو چھوڑ

کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہو تو وہ اپنے اعمال کا جواب دے سکے۔ اسلامی تہذیب کے تشکیلی عناصر میں وہ تعلیمات بھی شامل ہیں جو ایک ظاہری وجود رکھتی ہیں اور ایک مسلمان معاشرہ اس کے ذریعے سے پہچانا جاتا ہے۔ ان میں اس بات کی شہادت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنا، روزے رکھنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا شامل ہے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو مسلمانوں کی زندگی میں فرائض کا درجہ رکھتے ہیں اور اسلامی تہذیب کی تشکیل اور نشوونما میں انھیں بنیادی مقام حاصل ہے۔ کلمہ شہادت مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے جھکنے سے بچائے رکھتا ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ سے جوڑے رکھتی ہے اور برائی کے کاموں سے باز رکھتی ہے اور جماعت کا اہتمام اجتماعی نظم وضبط پیدا کرتا ہے۔ روزہ مسلمان کو اپنے نفس پر قابو رکھنے کی تربیت دیتا ہے اور اپنے ساتھی انسانوں کا درد سکھاتا ہے۔ زکوٰۃ سے کمزور طبقوں کو ساتھ لے کر چلنے کا ایک پورا نظام وجود میں آتا ہے۔ حج سے ایک طرف انفرادی طور پر انسانی عبادتیں اپنی معراج حاصل کرتی ہیں تو دوسری طرف اس سے بین الاقوامی اسلامی معاشرہ اور اجتماعی نظام پروان چڑھتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی اہمیت

اسلامی تہذیب کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اس کی بنیاد قرآن کی زندہ تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر استوار ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی زندگیاں ان دو اصولوں کی روشنی میں گزاریں اور ایک ایسا معاشرہ اور تہذیب وجود میں لائے، جس نے انسانیت کو ظلم پر مبنی طبقاتی نظام سے نکال کر مساوات کی لڑی میں پرو دیا۔ انسانیت کو رنگ ونسل کے تعصبات سے نکال کر عالمگیر اخوت و بھائی چارے پر مشتمل نظام قائم کیا۔ اسلامی تہذیب نے نسل انسانی کو جہالت اور آباواجداد کی اندھی تقلید سے نکال کر علم کی روشنی میں تحقیق کا سفر طے کرنے اور کائنات کی چھپی حقیقتوں کا سراغ لگانے کا درس دیا۔ اسلامی تہذیب انسانی تاریخ کی واحد تہذیب ہے جو مذہب کی تعلیمات کا پرتو اور عکس ہے۔ اس کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ اٹل اصولوں پر قائم اور ایسے عناصر سے تشکیل پذیر ہوئی ہے، جو دائمی اور غیر مبدل ہیں۔ اس کا انحصار انسانی تجربات اور نسلی ارتقا پر نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن وسنت کی عملی تعلیمات پر استوار ہونے کی وجہ سے ہر زمانے کی بے راہ روی سے محفوظ رہتی ہے اور آنے والی نسلوں کو تازہ اور غیر ملاوٹ شدہ رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات وامتیازات

۱۔ عقیدہ توحید ورسالت: توحید ورسالت کا تصور اسلامی زندگی میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نہ صرف اسلامی تہذیب کے وجود میں آنے کا بنیادی عامل ہے بلکہ اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیت اور پہچان بھی ہے۔ اسلام میں توحید صرف ایک تصور نہیں ہے، بلکہ یہ ایسی قوت ہے جو روح کی طرح اسلامی دنیا کے جسم میں موجود ہو کر اسے زندہ اور آپس میں جوڑ کر رکھے ہوئے ہے۔ اسی تصور کے اندر سے ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی بندگی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور انسان کو ایسی ایمانی قوت نصیب ہوتی ہے جو اسے کسی غیر خدا کے خوف سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کو ان کے عقیدہ توحید نے ہی دنیا بھر میں متحد کر رکھا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کردہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان رکھنا اور ان کی عزت وتوقیر کرنا اور حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان بھی تمام مسلمانوں کا مشترکہ عقیدہ اور میراث ہے۔ مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت واحترام اور یہ عقیدہ کہ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ مسلمانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے، اسلامی تہذیب کی وہ اہم خاصیت ہے، جو اسے دنیا بھر کی تہذیبوں سے ممتاز کرتی ہے۔

۲۔ مساوات انسانی: اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت انسانی مساوات ہے۔ اللہ کریم کے قانون کی نظر میں سارے انسان برابر ہیں۔ صرف اہل تقویٰ کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا کی ہے۔ پنج وقتہ نمازوں میں چھوٹے بڑے، امیر غریب، سب کندھے سے کندھا ملا کر، اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔ اسی طرح حج کے موقع پر تمام مسلمان ایک جیسا لباس پہنتے ہیں اور ایک ہی طرح کی عبادت کرتے ہیں، جس سے شاہ و گدا کا پتا نہیں چلتا۔ یہ اسلامی مساوات کی بہت بڑی نشانی ہے۔

۳۔ اجتماعی نظم: اسلامی تہذیب کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس میں نیکیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے لیے اجتماعی ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے۔ اسے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(مسلمانو!) تم بہترین امّت ہو جسے لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ (آل عمران: 110)

۴۔ اخوّت اسلامی: اسلامی تہذیب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی پیروی کرنے والوں میں عالمگیر بھائی چارہ پایا جاتا ہے۔ اسلامی تہذیب کے ماننے والے افراد کے درمیان اخوت کے گہرے رشتے نے دنیا کے ہر خطے کے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر رکھا ہے۔ یہ ہمیشہ سے ایسا رہا ہے اور ان شاء اللہ ایسا ہی رہے گا۔ قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: 10) ترجمہ: بے شک سب اہل ایمان (تو آپس میں) بھائی بھائی ہیں

۵۔ مذہبی رواداری: اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرے میں یہ امتیازی وصف ہے کہ اس میں بسنے والی اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہیں اور کسی اقلیت پر مذہبی معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ ترجمہ: دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے (البقرۃ: 256)۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مذہبی معاملات میں مسلمانوں نے ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا ہے، حتیٰ کہ مفتوحین کو بھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔ میثاق مدینہ کا معاہدہ مذہبی رواداری کی روشن مثال ہے اور ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

۶۔ سادگی و اعتدال: اسلامی تہذیب سادگی پر استوار ہے اور اس میں نمود و نمائش اور بے جا اسراف کو پسند نہیں کیا جاتا۔ نبی پاک ﷺ نے سادگی کو پسند فرمایا اور اسے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد پاک ہے۔ ترجمہ: بیشک سادگی ایمان میں سے ہے (ابن ماجہ: 4161)۔ اسی طرح اعتدال اور درمیانہ راستہ اختیار کرنے کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میانہ روی اختیار کی، وہ محتاج نہ ہوگا (مسند احمد: 4271)۔

۷۔ دین و دنیا کا امتزاج: اسلامی تہذیب کی یہ خاصیت اور امتیاز ہے کہ یہ دین و دنیا دونوں کا امتزاج ہے۔ نہ اس میں دین کو اختیار کر کے دنیا کو چھوڑنے کا درس دیا گیا ہے اور نہ ہی دنیا کو اختیار کر کے آخرت کو چھوڑنے کا درس ہے۔ اسلام توازن پر زور دیتا ہے اور دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا خواہاں ہے۔ اس میں رہبانیت بھی نہیں اور دنیا پرستی بھی نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو دعا میں دنیا و آخرت کی بھلائی چاہنے کا سبق دیا گیا ہے۔ ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (البقرۃ: 201)

۸۔ عدل و انصاف: اسلامی تہذیب کا ایک بہت بڑا امتیاز عدل و انصاف کا قیام ہے۔ قرآن حکیم نے عدل و انصاف کے قیام پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ترجمہ: "بے شک اللہ حکم فرماتا ہے عدل کا اور احسان کا" (النحل: 90)۔ قرآن حکیم کی بہت سی آیات اور سنت نبوی ﷺ میں عدل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ معزز گھرانے کی ایک عورت نے چوری کی اور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں اس عورت کے لیے

معافی کی سفارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی چوری کرتیں تو میں ان کا بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔ (صحیح بخاری: 3475)

۹۔ **عالمگیر تہذیب:** اسلامی تہذیب کا یہ بھی امتیاز ہے کہ یہ عالمگیر تہذیب ہے۔ دنیا کے ہر خطے سے لوگ اسے اپنائے ہوئے ہیں، اور وہ اپنی علاقائی روایات کی پاسداری کے ساتھ ساتھ، اسلام کی اجتماعی تہذیبی روایات کی پابندی بھی کرتے ہیں۔ اسلامی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اسلام میں علما، مفکرین اور اولیاء کرام، جنھوں نے انسانیت کی بھلائی کے لیے بہت سی خدمات سر انجام دی ہیں، ان سب کا تعلق دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف نسلوں سے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ختم نبوت کے شرف کے لیے منتخب فرمایا اور ان کو عالمگیر شریعت عطا کی گئی۔ اسلامی تہذیب اسی عالمگیر شریعت پر مبنی ہونے کی وجہ سے دوسری تہذیبوں سے ممتاز ہے۔

اسلامی تہذیب کے اثرات

اسلامی تہذیب نے دنیا کی تاریخ میں سب تہذیبوں سے زیادہ اثرات مرتب کیے ہیں جو اجتماعی انسانی نظام پر بہت گہرے ہیں۔ آج کی دنیا کے نقشے کو دیکھ لیجیے۔ جو خطے آج عرب دنیا کا حصہ ہیں، وہ اصل عرب نہیں تھے، بلکہ مسلمان وہاں آباد ہوئے اور وہاں کی مقامی آبادی کو اپنے کردار اور تہذیب و تمدن سے متاثر کیا۔ نہ صرف ان قوموں نے مسلمانوں کا دین اور ان کی زبان اختیار کر لی، بلکہ رسوم و رواج اور مکمل طرز زندگی اختیار کر لیا، یعنی تہذیب کو اپنا لیا۔ ذیل میں چند نکات کی صورت میں اسلامی تہذیب کے اثرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

- مسلمانوں نے دنیا میں ہمیشہ امن کو فروغ دیا ہے۔ ابتدائے اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں پورا عرب زیر نگیں آگیا تھا اور قاضی سلمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق لڑائیوں میں دونوں اطراف کے صرف (1018) افراد کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔ لاکھوں مربع میل رقبہ کا اتنے کم نقصان کے ساتھ زیر اثر آجانا، اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام امن، تبلیغ اور سیرت و کردار کے ذریعے پھیلا۔ جنگوں کے دوران میں بھی انسانی حقوق کا خیال رکھا گیا اور اس سلسلے میں تاریخ انسانی میں پہلی بار جنگ کے اصول میدان جنگ میں اور بعد ازاں قیدیوں کے ساتھ سلوک میں برتے گئے۔ ان ہی تعلیمات کو بنیاد بنا کر جدید دنیا کے جنگی قوانین وضع کیے گئے ہیں۔
- اسلامی تہذیب نے علم و حکمت کو فروغ دیا اور آٹھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب قوت رہے ہیں۔ انھوں نے علم کو قدیم اقوام سے حاصل کر کے آج کی جدید اقوام کے حوالے کیا۔ اس طرح علم کے ارتقا میں اسلامی تہذیب کا بہت بڑا حصہ اور شراکت ہے۔
- اسلامی تہذیب نے بھائی چارے کو فروغ دیا اور اس کے اثرات نے دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والے لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر رکھا ہے۔ پاکستان کے مسلمان چیچنیا، بوسنیا اور دنیا کے ہر خطے کے مسلمانوں کا درد محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح کینیا یا کسی اور ملک میں رہنے والا ایک مسلمان فلسطین اور کشمیر کے لوگوں کا درد محسوس کرتا ہے۔
- اسلامی تہذیب تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور مقدس ہستیوں کو یکساں احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ اس نے باقی ادیان اور مذاہب کو رواداری اور پر امن بقائے باہمی کا اصول دیا ہے۔

- اسلامی تہذیب کی خاصیت اور امتیاز یہ بھی ہے کہ آج مہذب دنیا انسانی حقوق کے جن اصولوں کو تسلیم کرتی اور بڑے زور و شور سے ان کا پرچار کرتی ہے، وہ حقوق صدیوں قبل اسلامی دنیا میں مسلم اور غیر مسلم شہریوں کو حاصل تھے۔
- عورت کے حقوق کا جتنا تحفظ اسلامی تہذیب نے کیا ہے، دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ قرآن و سنت نے نہ صرف عورتوں بلکہ تمام کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ کیا۔ خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق اور خاص طور پر عورتوں اور غلاموں کے حقوق کا چارٹر ہے۔ اسی سے دنیا نے جدید انسانی حقوق کے اصول اخذ کیے اور اس میں اپنے مخصوص تصورات شامل کر کے جدید انسانی حقوق کا نظام ترتیب دیا ہے۔
- غلامی کے خاتمے کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات نے بہت واضح اثرات مرتب کیے ہیں۔ اسلام نے غلامی کو بتدریج ختم کرنے کے لیے انسانی حقوق کا معیار بلند کیا اور دنیا کے جاری نظام کو درہم برہم اور تباہ کیے بغیر آہستہ آہستہ غلامی کے خاتمے کے لیے راہ ہموار کی۔
- اسلامی تہذیب استحصال کی تمام صورتوں اور خاص طور پر معیشت میں اجارہ داری کی مخالف ہے۔ اس نے روزی کمانے کے تمام ایسے ذرائع کی روک تھام کے اصول بنائے ہیں، جن سے انسانوں میں معاشی ناہمواری پیدا ہو اور کسی ایک فرد یا گروہ کا نقصان ہو۔ اسلامی تعلیمات میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ استحصال کی سب سے بڑی علامت ہے۔ دنیا میں اب اسلامی بینکاری کا غیر سودی نظام تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔
- اسلامی تہذیب علم کے پھیلاؤ کی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے عروج کا راز ہی علم و فن کی ترقی تھا۔ اس کی تعلیمات کا پہلا اور اہم نکتہ علم کا حصول اور فروغ ہے۔ یورپ نے مسلم دنیا اور خاص طور پر اسلامی سپین کی جامعات سے علم حاصل کیا اور ترقی کی منازل طے کیں۔
- اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خوبی سب پر قانون کا یکساں نفاذ ہے۔ حکمران سے لے کر ادنیٰ رعایا تک، سب پر قانون کی حکمرانی نے دنیا کے جدید قوانین کو متاثر کر کے انسانیت کی خدمت کی ہے۔ بڑائی کا معیار تقویٰ قرار دے کر ہر قسم کے نسلی، لسانی، معاشی اور معاشرتی تعصبات کے بتوں کو پاش پاش کر دیا اور سب کے لیے عمل اور تقویٰ کی بنیاد پر بلند درجات حاصل کرنے درس دیا۔

اسلامی تہذیب کے انسانی زندگی پر اثرات بہت گہرے اور ہمہ جہت ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ آج ہم اسلامی تہذیب کے صرف چند اصولوں پر ہی عمل کر رہے ہیں، جبکہ باقی تعلیمات کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کریں اور فرمان باری تعالیٰ کے مطابق پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں تا کہ پھر سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کر لیں۔

مشق

سوال نمبر ا۔ مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

ا۔ تہذیب کے مترادف کے طور پر انگریزی اصطلاح استعمال ہوتی ہے:

الف۔ سوسائٹی　ب۔ کلچر　ج۔ سویلائزیشن　د۔ آرٹ

۲۔ میثاقِ مدینہ کا معاہدہ روشن مثال ہے:

الف۔ عفو و درگزر کی　ب۔ مذہبی رواداری کی　ج۔ سخاوت کی　د۔ رحم دلی کی

۳۔ نبی کریم ﷺ نے کس خطبے میں انسانی حقوق کا خلاصہ پیش فرمایا:

الف۔ خطبۂ منیٰ　ب۔ خطبۂ غدیر　ج۔ خطبۂ حجۃ الوداع　د۔ خطبۂ تبوک

۴۔ نبی اکرم ﷺ نے عدل وانصاف کی اہمیت بتانے کے لیے مثال پیش کی، اپنی بیٹی:

الف۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا | ب۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

ج۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا | د۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

۵۔ علامہ منصور پوری کے مطابق اسلام کی ابتدائی جنگوں میں دونوں اطراف سے کتنے افراد کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے؟

الف۔100 ب۔2500 ج۔1025 د۔1018

سوال نمبر ۲۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

۱۔ اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے؟

۲۔ انسانی مساوات سے متعلق ایک حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔

۳۔ اسلامی اخوت کی بنیاد کیا ہے؟

سوال نمبر ۳۔ درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

۱۔ اسلامی تہذیب کے تشکیلی عناصر بیان کریں۔

۲۔ اسلامی تہذیب کے اثرات تفصیلاً تحریر کریں۔

۳۔ اسلامی تہذیب دنیا کی دوسری تہذیبوں سے کن خصوصیات کی بنا پر ممتاز ہے، مثالیں دے کر واضح کریں۔

سرگرمیاں برائے طلبہ

- اسلامی تہذیب کے متعلق آیات اور احادیث تلاش کر کے اپنے ہم جماعت ساتھیوں کو بتائیں۔

برائے اساتذہ کرام

- اسلامی ممالک کی فہرست بنوائیں تا کہ بچوں کو اسلامی تہذیب اور مسلم برادری کی وسعت کا اندازہ ہو۔

فرہنگ

باب اوّل

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
تقریرات	تقریر کی جمع، برقرار رکھنا، تائید کرنا	دیت	قتل کے بدلے ادا کی جانے والی رقم
حجت	دلیل	قصاص	قتل کا بدلہ
ضرب الامثال	مثالیں بیان کرنا	وثیقے	تحریری معاہدے
مضائقہ	تنگی	زرتشتی	زرتشت کے پیروکار، آگ کے پجاری
تعامل	کسی عمل کا رائج ہونا	زرِ مبادلہ	کرنسی
نصائح	نصیحت کی جمع	تنزلی	زوال

باب دوم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ملائکہ	ملک کی جمع۔ فرشتے	برزخ	موت سے لے کر قیامت تک کا عرصہ
بیت المعمور	فرشتوں کا قبلہ	کراماً کاتبین	اعمال لکھنے والے فرشتے
رضوان	جنت کے داروغہ کا نام	میزانِ عدل	اعمال تولنے والا ترازو
مالک	جہنم کے داروغہ کا نام	حوضِ کوثر	جنت کے میٹھے پانی کا حوض
برگزیدہ ہستیاں	اللہ تعالیٰ کے نیک بندے	شفاعتِ عظمیٰ	سب سے بڑی شفاعت یعنی نبی کریم ﷺ کی روزِ محشر اپنے امتیوں کی سفارش
اسفارِ خمسہ	پانچ صحیفے مراد تورات	عشر	زرعی پیداوار کی زکوٰۃ
وحی مکتوبی	تحریر شدہ وحی	حجۃ الوداع	آخری حج
وحی لسانی	زبانی وحی	مناسکِ حج	وہ فرائض جن کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا
اہلِ کتاب	مسیحی اور یہودی	رمی	شیطان کو کنکریاں مارنا
آخرت	بعد میں آنے والی چیز	سعی	صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا
حلق	سر منڈوانا	قصر	بال چھوٹے کروانا

باب سوم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
ابتلاء	آزمائش	گریہ وزاری	رونادھونا
پوشیدہ	چھپاہوا	مساوات	برابری
سدِّباب	کسی بات کی روک تھام	نسلی تفاخر	نسل کی بنیاد پر فخر جتانا
مسابقت	مقابلہ	عدم توازن	ناہمواری
زمین بوس	زمین پر گراہوا	خصوصیات	خوبیاں
کٹھن	مشکل	امتیازات	نمایاں پہلو
متاع	مال واسباب	ہمواری	برابری
فریضہ	ذمہ داری	ترغیب	شوق دلانا
طبیعت ناساز	طبیعت خراب ہونا	قطع رحمی	تعلق توڑنا
افاقہ	طبیعت میں بہتری	بردباری	تحمل، برداشت
زیرِدست افراد	ماتحت لوگ	فراوانی	کثرت، بہتات
تکفین	کفن پہنانا	درازی	لمبائی
تدفین	دفن کرنا	حسنِ سلوک	اچھاسلوک
خبرگیری	خبر رکھنا	بھلائی	خیرخواہی
تعامل	معاملہ، رویہ	آئینہ دار	عکاس
شبانہ روز	دن رات	ناروا	نامناسب، نازیبا، ناشائستہ
توقیر	عزت	فروغ	ترقی دینا، بڑھانا
عنصر	حصہ، رکن	صدقِ دل	دل کی سچائی
سبکی	شرمندگی	شبہ	شک، گمان
بتدریج	آہستہ آہستہ، رفتہ رفتہ	مجروح	زخمی
گرویدہ	فریفتہ، دل دادہ، متاثر	تنبیہ	نصیحت

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اکتاہٹ	بے زاری، بے رغبتی	اعجاز	معجزہ، کرشمہ
اندازِ تفہیم	سمجھانے کاانداز	اسلوبِ تربیت	تربیت کاطریقہ
احوال	صورت حال، کیفیات		

باب چہارم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آمیزش	ملاوٹ	کبیرہ	بڑا
شائبہ	شک، ملاوٹ	رشتہ الفت	محبت کا رشتہ
خوشنودی	خوشی	فاسد	گندا خراب، بر ،
ریاکاری	دکھاوا	امتزاج	ملاپ، ملاوٹ
مضر	نقصان دہ	عیب	نقص
خشوع و خضوع	عاجزی، انکساری، گڑگڑانا	خلط ملط	آپس میں مل جانا
مذاق اڑانا	توہین کرنا	رفتہ رفتہ	آہستہ آہستہ
ستار العیوب	عیب چھپانے والا	تفکر	سوچنا، فکر کرنا
حاملین عرش	اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھاتے ہیں	نظم و نسق	انتظام، بندوبست
صدیق	سچا		

باب پنجم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
بڑھوتری	اضافہ	مرکب	کئی چیزوں سے مل کر بنی ہوئی چیز، مخلوط
متعین	طے شدہ، مقررہ	ربا الفضل	زیادتی والا سود
قرض حسنہ	بھلائی کے طور پر قرض	غیر مساوی	جو برابر نہ ہو، ناہموار
متضاد	الٹ	لین دین	کاروبار، تجارت، لینا اور دینا

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
کالعدم	منسوخ، ختم کرنا	واجب الادا	جن کا ادا کرنا لازم یا ضروری ہو، جو ذمے ہوں
ترک کرنا	چھوڑ دینا	مشقت	سخت مشکل، تھکا دینے والا کام، تکلیف
وعید سنانا	ڈرانا، دھمکی دینا	شراکت	حصہ داری، مل کر کام کرنا
حرص	لالچ	مضاربت	نفع کے لیے مال کسی کو دے کر کاروبار کرنا
انحصار	دارومدار	ماخوذ	اخذ کردہ، وہ چیز جو کہیں سے لی گئی ہو
سلب ہونا	چھن جانا	محکومی	غیر ملکی حکومت کی ماتحتی، غلامی
سرمایہ دار	پیسے والا، بڑے کاروبار والا، دولت مند	فلاح و بہبود	فائدہ اور بھلائی
دار العمل	کام کا گھر، کام کرنے کی جگہ	تنازعات	تنازعہ کی جمع، جھگڑے، اختلافات
امر بالمعروف	اچھائی کا حکم دینا، اچھے کام کی ترغیب دینا	مؤاخات	بھائی چارہ
نہی عن المنکر	برائی سے روکنا	دستور	آئین، قانون
مساوات	برابری	عصبیت	اپنوں کی بے جا حمایت، اپنے مسلک یا گروہ کی وفاداری اور پاسداری
فروغ دینا	پھیلانا، بڑھاوا دینا	سبوتاژ	توڑ پھوڑ، چلتے ہوئے کام میں رکاوٹ ڈالنا
کفیل	ذمہ دار، کفالت کرنے والا، پرورش کرنے والا	مؤاخات	بھائی چارہ
بیخ کنی	جڑ سے اکھاڑ دینا، ختم کرنا	دستور	آئین، قانون
ضعیف	کمزور	عصبیت	اپنوں کی بے جا حمایت، اپنے مسلک یا گروہ کی وفاداری اور پاسداری

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
رفاہِ عامہ	عام لوگوں کی بھلائی	جہاد بالسیف	تلوار یا اسلحہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے لڑائی کرنا
دیت	قتل کی سزا سے بچنے کے لیے مقتول کے وارثوں کو ادا کی جانے والی رقم	جہاد باللسان	زبان سے دین کی سربلندی کی جدوجہد کرنا
ترغیب دینا	ابھارنا، آمادہ کرنا، شوق دلانا	سرخرو	کامیاب، فتح مند
اشاعت	علم کو پھیلانا، کتاب چھاپنا	جہاد بالنفس	نفس کی ناجائز خواہشات کو دبانے کی جدوجہد کرنا
غارت گری	کسی پر ناجائز حملہ آور ہونا، لوٹ مار	فضیلت	بزرگی، اہمیت، فوقیت، بڑا درجہ
جہادِ اکبر	سب سے بڑا جہاد	پروپیگنڈا	جھوٹ کو پھیلانا

باب ششم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
حلیف القرآن	قرآن سے تعلق رکھنے والا	اقامت حدود اللہ	اللہ کی حدوں کو قائم کرنا
اسطوانۃ القرآن	قرآن کا ستون	فی البدیہہ	بغیر تیاری کے
فقیہ اہل بیت	اہل بیت میں فقہ کا عالم	شیخ اکبر	سب سے بڑا شیخ
معرفت	پہچان	مودت رسول	رسول اللہ ﷺ کی محبت
علم کلام	عقائد کا علم	رفق بین المسلمین	مسلمانوں کے درمیان نرمی
فقاہت	احکامِ شریعت کی علمی مہارت	نقیب	معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا
دستگیری	ہاتھ تھامنا، مدد کرنا	فیاض	سخی
فقیہ	علم فقہ کا ماہر	سیر چشم	قناعت کرنے والا
افتراق وانتشار	جدا جدا ہونا	تواضع	عاجزی
استقلال	ثابت قدمی	بسالت	بہادری
جور	ظلم	متمول	مال دار
میدان کارزار	میدان جنگ	چوکر	بھوسی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شدومد	شدت کے ساتھ	مغموم	غم زدہ
مسمار کرنا	گرادینا	منقطع	ختم ہونے والا
مشرف بہ اسلام ہونا	اسلام قبول کرنا	بالطبع	طبیعت کے اعتبار سے
عامل	گورنر	کسوف	سورج گرہن
صحیفہء حیات	زندگی کا اعمال نامہ	صلہ رحمی	رشتہ داری جوڑنا
مستفیدین	فائدہ اٹھانے والے	جدت طبع	طبیعت کا نیاپن
انشا	تحریر	زہد	دنیا کی کم وقعتی
اصابت رائے	درست رائے	مجاہدہ	جدوجہد کرنے والا
صائب الرائے	درست رائے والا	متنفر	نفرت کرنے والا
صاحب رائے	رائے (سمجھ) والا	توکل	بھروسا کرنے والا
نقاد	پرکھنے والا	حج	ارادہ کرنا
شائقین	شوق رکھنے والے	اتھاہ	بے انتہا
فیض رواں	جاری فائدہ	تلمذ	شاگردی
جولانگاہ	سیر کی جگہ	قاضی	جج، فیصلہ کرنے والا
روحانی فیض	روحانی فائدہ	تذکیہ نفس	نفس کی پاکیزگی

باب ہفتم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اہداف	ہدف کی جمع، نشانہ، طے کردہ مقصد جس کے حصول کی کوشش کی جائے۔	عیوب	عیب کی جمع، خامیاں
اظہار حق	سچ اور حق بات کا اعلان کرنا	معاشرت	لوگوں کا ایک ساتھ مل جل کر رہنا
اقتصادی	معاشی، روزی کمانے اور خرچ کرنے کے معاملات	استوار ہونا	قائم ہونا

معانی	الفاظ	معانی	الفاظ
ایسا نظام جس میں انسانوں کا ایک گروہ دوسروں پر حاوی ہو کر ان کا نقصان کرے	طبقاتی نظام	بہترین قصہ، سب سے بہتر کہانی	احسن القصص
ترقی کرتے ہوئے کمال کو پہنچنا	ارتقا	کنارا، کونہ	گوشہ
خالص	غیر ملاوٹ شدہ	ظاہر کرنے والا، نشانی، دلیل، ظاہر ہونے کی جگہ	مظہر
دوسروں کو برداشت کرنا	رواداری	بے جا ضد، کٹر پن	ہٹ دھرمی
کسی بڑی آبادی میں دوسرے مذہب کے تھوڑے لوگ، وہ قوم جو تعداد میں تھوڑی ہو	اقلیت	پکا ارادہ	عزم
فضول خرچی	اسراف	اللہ تعالیٰ پر بھروسا	توکل
دنیا کو چھوڑ کر الگ بیٹھ رہنا	رہبانیت	تھوڑے عرصے کا	قلیل المدتی
پوری دنیا پر مشتمل	عالمگیر	لمبے عرصے کا	طویل المدتی
منشور، رہنما اصول	چارٹر	ماضی کی قومیں	قدیم اقوام
		رسول اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے آخری حج پر دیا گیا مشہور خطبہ	خطبہ حجۃ الوداع

مصنفین کا تعارف

ا۔ڈاکٹر محمد سجاد

آپ نے ماسٹر ڈگریاں اسلامیات، عربی اور ایجوکیشن میں حاصل کیں۔ آپ نے ایم فل اور پی۔ ایچ۔ڈی (علوم اسلامیہ) کی ڈگریاں سیرتِ طیبہ اور دعوت تخصص کے ساتھ حاصل کی۔ آپ کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر علوم اسلامیہ کی تدریس و تحقیق کا تیس سال کا تجربہ ہے۔ آپ نے وفاقی وزارتِ تعلیم میں قومی نصاب سازی اور کتب کی تیاری و منظوری میں شامل رہے ہیں۔ آپ نے پنجاب اور آزاد جموں و کشمیر کے ٹیکسٹ بک بورڈز کی تیار کردہ کتب کی نظر ثانی کی اور منظوری دی۔ آپ نے ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان میں بی ایس علوم اسلامیہ کا نصاب تیار کیا اس کے علاوہ ایم فل اور پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کے نصاب کی نظر ثانی کی۔ آپ اس وقت علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں شعبہ مطالعات بین المذاہب کے چیئرمین کی حیثیت سے خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی ہذا میں میٹرک تا پی ایچ ڈی سطح کے بیس سے زیادہ کورسز کی کتب کے مصنف بھی ہیں اور آپ کے پچاس سے زیادہ علمی اور تحقیقی مقالات قومی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف رسائل اور مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

ای میل ایڈریس:muhammadsajjad@aiou.edu.pk

۲۔پروفیسر ڈاکٹر محمد ادریس

آپ نے ماسٹر ڈگریاں اسلامیات اور ایجوکیشن میں حاصل کیں۔ آپ نے پی۔ ایچ۔ڈی (ایجوکیشن) کی ڈگری نصاب اور جائزہ کی تخصیص کے ساتھ حاصل کی۔ آپ نے نصاب اور جائزہ کے تحقیقی کام کی اعلیٰ تربیت یونیورسٹی آف لیسٹر (برطانیہ) سے حاصل کی۔ آپ کو اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر مختلف مضامین پڑھانے کا بیس سال کا تجربہ ہے۔ مزید یہ کہ مصنف نے وفاقی وزارتِ تعلیم شعبہ نصاب سازی میں خدمات سر انجام دیتے ہوئے قومی نصاب سازی اور کتب کی تیاری و منظوری میں طویل عرصہ کام کیا۔ اس دوران آپ نے پاکستان کے تمام ٹیکسٹ بک بورڈز کی تیار کردہ کتب کی نظر ثانی کی اور منظوری دی۔ بعدازاں آپ نے ہائر ایجوکیشن کمیشن میں بطور ڈائریکٹر شعبۂ نصاب اعلیٰ تعلیم کی نصاب سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ مصنف کے نصاب اور جائزہ کے موضوعات پر کئی مقالے بین الاقوامی رسالوں میں چھپ چکے ہیں۔ آج کل آپ اعلیٰ تعلیم کے ایک تاریخی ادارے میں بطور پرنسپل فرائض سر انجام دے رہے رہیں۔

ای میل ایڈریس:dridreesmoe@gmail.com

۳۔ڈاکٹر علی طارق

ڈاکٹر علی طارق 2010ء سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے وابستہ ہیں اور کلیہ اصول الدین کے شعبۂ حدیث میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر اور کلیہ کی سطح پر انچارج اکیڈیمک افیئرز کے طور پر تدریسی و تحقیقی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ انھوں نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے حدیث و سیرت میں پی ایچ ڈی اور حدیث میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے انگریزی ادب میں ایم اے، بی اے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے شہادہ عالمیہ کی ڈگری بھی حاصل کر رکھی ہے۔ اُن کی نگرانی میں تئیس اسکالر حدیث میں ایم فل کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔ تین کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کے ہائر ایجوکیشن کمیشن پاکستان کے منظور شدہ رسائل و جرائد میں چھ مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کے دلچسپی کے میدان میں حدیث و سیرت، نصاب سازی، طرقِ تدریس میں بہتری اور بین المسالک و مذاہب ہم آہنگی شامل ہے۔ وہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مختلف جامعات، کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ، لبنان، انڈونیشیا اور شارجہ یونیورسٹی متحدہ عرب امارات کے مختلف تحقیقی و تدریسی پروگراموں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ان کو پچاس سے زائد بین الاقوامی اور قومی کانفرنسوں میں اپنے علمی مقالات کے ذریعے شرکت کا موقع مل چکا ہے۔

ای میل ایڈریس:alitariq11@gmail.com

۴۔ڈاکٹر سلمان شاہد

مصنف نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے الشھادۃ العالیہ اور سرگودھا یونیورسٹی سے بی ایڈ کی سند حاصل کی اس کے علاوہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سے حدیث میں ماسٹر، ایم فل اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔آپ کو کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر اسلامی علوم کی تدریس کا پندرہ سال کا تجربہ حال ہے۔مزید یہ کہ آپ نے وفاقی وزارتِ تعلیم میں قومی نصاب سازی، کتب کی تیاری اور نظر ثانی کی خدمات سرانجام دیں۔وہ متعدد علمی و تحقیقی کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ان کی دلچسپی کے میدان میں تفسیر حدیث فقہ تقابل ادیان اور تاریخ شامل ہیں۔

ای میل ایڈریس:salmanshahid063@gmail.com

۵۔ڈاکٹر روشن علی

پروفیسر ڈاکٹر روشن علی گادہی نے وفاق مدارس جامعۃ المنتظر لاہور سے ایم اے اسلامیات کی سند حاصل کی۔یونیورسٹی آف سندھ جامشورو سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔فیڈرل پبلک سروس(FPSC) کا امتحان پاس کرنے کے بعد بطور لیکچرر تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ آپ کے 25 سے زائد تحقیقی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔آپ نے بطور ممبر آف ریویو کمیٹی فیڈرل کریکلم اور پنجاب کریکلم اتھارٹی میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیں۔آج کل آپ بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر تدریس کے شعبے میں اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔اس کے علاوہ مختلف تحقیقی جرنلس کے مجلس ادارت، پیئر ریویور، یونیورسٹی کے تھیسز ریویور اور کو گائیڈ کے طور بھی اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہیں۔

ای میل ایڈریس:ali.roshan1975@gmail.com

٦۔ڈاکٹر محمد علیم

ابو عمار ڈاکٹر محمد علیم نے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے علم سیرت کے تخصص کے ساتھ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔بیس سال سے شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہیں اور میٹرک ایف اے اور گریجویشن کی سطح پر اسلامیات کا مضمون پڑھانے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔علوم اسلامیہ کے مختلف میادین خاص طور پر تاریخ و سیرت، اسلام کے سیاسی افکار اور عالم اسلام کے وسائل و مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں۔انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور بی ایڈ کی ڈگری حاصل کی اور نمل یونیورسٹی اسلام آباد سے پلومہ ان عربیک انٹرپریٹر شپ بھی حاصل کر رکھا ہے۔مختلف رسائل و جرائد میں ان کے سات تحقیقی مضامین شائع ہو چکے ہیں اور وہ متعدد کانفرنسز میں مقالات بھی پیش کر چکے ہیں۔

ای میل ایڈریس:aleem365@gmail.com